TEXT PROBLEM WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222265

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ م ۳۳۳ Accession No. ۷۹۸۳

Author ج ۔ ر رشید الخیری 7983

Title جوہر قدامت

This book should be returned on or before the date last marked below.

۷۸۶ جو عطر قدامت

حاشا و کلا اگر ہماری نیت اس کتاب کی اشاعت سے تعلیم نسواں کی مخالفت ہو

اعاذنا اللہ ... مسلمانوں کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ تو ٹوٹیں وہ ہاتھ جو ہادی برحق کا ارشاد ہوتے

ہے اس کے برخلاف لکھنے کی کوشش کریں۔ اور پھوٹے وہ آنکھ جو فیصلہ حقیقی کے

کسی دوسری رائے کا دیکھنا جائز سمجھے۔ مگر ؎

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

اللھم احفظنا تعلیم نسواں کا منشا جب نہ اب کل نہ آج نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا

...انوں میں سے شاہدہ جیسی بچیوں کے وہ نمونے پیدا ہوں جن کی زندگی تمام خاندان

...د کا خاتمہ کر دے۔ اور زاہدہ جیسی لڑکیوں کی صورتیں ناپید جو پیوند زمین ہو...

...یں چھوڑیں کہ دنیا ان کے نام سر آنکھوں پر رکھے۔ عزم مستحکم تھا ... جب ... اب

اس وقت ویسی اس وقت کہ تعلیم لڑکیوں کی رگ رگ میں اسلام کی وقعت اور

...کی عظمت کوٹ کوٹ کر بھرتی اور ٹھونس ٹھونس کر رکھتی اور ان چار دیواروں

...ان کا سکہ رائج ہوتا جہاں ان کی حکومت بلا شرکت تھی جہاں ان کا ...

دن ہو یا رات صبح ہو یا شام توحید کی صدائیں عرش معلےٰ تک ... گونجتیں

...یہ مکان کا کونہ کونہ رسالت کا گیت گاتا۔ یہ نہ ہوتا کہ اسلام ہزاروں کوس دور

...کام لاکھوں میل پرے۔

راشد الخیری دہلوی

تنقیح CHECKED 1951

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

نواب نصیر الدین احمد کی ہڈیاں مدتیں ہوئیں کہ خاک ہو چکیں مگر ابھی ان کی آنکھ
سے ہزار پانسو نہیں تو دو چار زندہ ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والا نصیر کس
شان کا مسلمان تھا۔ دولت تھی۔ ثروت تھی۔ حکومت تھی۔ امارت تھی۔ مگر کیا مجال
یا غرور کبھی پاس آکر پھٹکا ہو۔ ساٹھ سال سے اوپر عمر پائی۔ پوتروں کا رئیس مزاج
ل کا شہد روپیہ کے ڈھیر تھے۔ دولت کی افراط تھی حویلی مکان جائیداد املاک
کچھ تھا۔ مگر جس سے ملا جھک کر اور جس سے بولا ہنس کر دونوں وقت کا لنگر
رہتے دم تک فرق نہ آیا غریب غربا اپاہج فقیر ایک نصیر کے دسترخوا
بندگان خدا پل رہے تھے ... اور احسان جسکو دیا او
... یتیموں کے گھر خود جا
یا خلق کا یہ حال کہ سائل ... کبھی رد کیا نہ کرنے کا خیال آیا۔ اس دولت
گری کے تیسوں روزے دیس ہو یا پردیس اور تندرست ہو یا بیمار
ں جاڑوں کی نماز فجر کڑکڑاتی سردی ہو یا چلتے کے دن ناممکن تھا کہ جماعت
... نصیر کی مسجد ... امام باڑہ آج تک اس کے کام او
... آدمی کیا ایک دریا اور مسلمان بچہ کیا ایک چشمہ تھا جس کا فیض
... شام ... تک جاری تھا ... انکے گھر سے
... دولت ... اور خوش تھے یہی وجہ تھی
... نے پچھاڑیں کھائیں۔ جوانوں نے سر پھوڑ
... کردیا تعجب ہے کہ شہر بھر سے

دنیا بھر کے جتن کر ڈالے۔ چالیس سال سے اوپر عمر ہو گئی۔ مگر بچہ نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ اور
بیوی بدنصیب اسی رنج میں گھل گھل کر تمام ہوئی۔ یہ خیال کہ نواب صاحب کی عمر اب نکاح
کی نہ تھی درست نہیں۔ مرد سا تھا اور پاٹھا۔ عورت جیسی اور کیسی۔ روپیہ تھا۔ اطمینان
تھا۔ بے فکری تھی۔ خوشحالی تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ غریب بقیہ عمر شکستہ دل ہو کر بسر کرتا۔ اس
بات پر اعتراض ہو سکتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ راز نہیں۔ بات کھلی اور معاملہ صاف
اور حق یہ ہے کہ بنائے فساد جس نے برباد کیا یہی ہے۔ نکاح کرتا شوق سے کرتا ایک
نہیں دو کرتا۔ چالیس کیا ساٹھ برس کی عمر میں کرتا۔ مگر بات سمجھ کر اور موقع دیکھ کر۔ ہمیشہ
کی کمی نہ تھی۔ کنواری سے کنواری اور بہتر سے بہتر لڑکی بیٹھے تھے اور جوم چاٹ کر دیتے کرا
نہ ہوئی۔ رانڈ ہوتی۔ امیر نہ ہوتی۔ فقیر ہوتی۔ مگر ہڈی کی اچھی اور خون کی سچی۔ گھر کی موا[illegible]
[illegible] کپڑے سیتے سیتے۔ اور نانی پانی ڈھوتے ڈھوتے تمہاری شکل کی کیسی
[illegible] در صورت کی منی ہی افضل کیوں نہ ہو۔ مگر حیثیت بھی ایک چیز ہے۔ تقدیر کی غلطی
[illegible] سے نکاح کی صورت میں ظاہر ہوتی اتنی سنگین نہ ہوتا اسپر الزام ہے سکے مگر یہ خیال
[illegible] تو کچھ وقعت رکھتا ہی ہے کہ اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔ لاکھ راجہ
[illegible] مرانی اور رانی کہلائی۔ لیکن ہم تو یہی سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں کہ اگر نصیبا نہ بنتا تو
[illegible] سا ندی رہتی کا گندہ شوربہ نہ ہوتا۔

اولاد کا رنج فقط بیگم صاحب ہی کی تقدیر میں تھا یا انکی زندگی تک نواب صاحب کو
[illegible] کی گود میں آتے پہلے ہی سال چھینا۔ اقبال تھا افسوس یہ ہے کہ نصیر کو پیار کرنے کا نصیب
[illegible] ضمیر چار ہی سال کا تھا کہ وہ رخصت ہوئے اور اس تمام تماشا
[illegible]

(۳)

کہاں بندہ [illegible] بے پیر راہوار کی منہ زوری اور کبھا چیا پیار [illegible]

بلا شرکت غیرے ایک اکیلے دم سے سب کی مالک ہوئی۔ میری منہڑیا میں سوا سیر۔ وہ بڑھ بڑھ کر بولتی اور چڑھ چڑھ کر کہتی کہ سننے والے بھی دنگ رہ جاتے۔ مغلانی سے گھر والی ہوئی گھر والی سے راج دلاری۔ جو کچھ کرتی ٹھیک اور جو کچھ کرتی تھوڑا۔ اس پر ہوتی اولاد اولاد بھی بھاری پتھر نہیں چمکدار ہیرا۔ سناتی بوجھا ہتی۔ اور کہتی جو جی میں بڑی بلا ہے اور غرض اس سے بدتر۔ محتاج عزیز اور غریب رشتہ ۔ بڑھتی۔ اور اٹھاتے جوڑالتی۔ دولت سب سے بڑی عیب پوش اچھی سیدانیاں اور بڑی بڑی مغل زادیاں اسکے اشارے پر آنکھیں بچھائیں۔ خدا کی شان تھی اللہ کے آئے۔ مگر جلسوں میں سب سے آگے۔ اور کلبوں میں سب سے پہلے صورت تو اچھی ۔ لباس بھی کسی سے کم کیا بہتر ہی تھا۔ دھوم مچ گئی۔ سایہ بھی اور بوٹ بھی کالر بھی اور سوٹ بھی۔ وہی وہ تھی۔ مگر وہ جو بچپن کے سنے سنائے دو چار کلمے الٹی سیدھی ایک آدھ آیت یاد تھی اس کا بھی کبھی نہ کبھی اثر ہو ہی جاتا تھا۔ روزانہ تو نہیں اور پنجگانہ بھی نہیں۔ مگر ہاں آٹھویں دسویں ایک آدھ سجدہ بھی کر لیتی اور درود بھی پڑھ لیتی۔

ضمیر پلا اس ماں کے دودھ سے جو کام سے بیزار اور نام کی عاشق زار اور رہا ان ماؤں کی گود میں جو روزے پر ہنسیں اور نماز پر کھلکھلائیں۔ انجام ظاہر تھا۔ بڑا ہوا تو کہنے کو مسلمان ورنہ پورا کرسٹان تھا۔ روزہ کا نہ نماز کا نذر کا نہ نیاز کا۔ تعلیم کی کیفیت یہ تھی کہ پانچ چار کتابیں کے بعد پھر آگے نہ پڑھا۔ مگر مزاج کا حال یہ تھا کہ بغیر انگریزی اجناس کے گھر سے باہر نکلنا قسم۔ امیر کا بچہ اور آئیں کا بچہ۔ لاڈ پیار کا بچہ۔ کماتے پیتوں کا بچہ پھلنے میں کیا دیر تھی۔ چودہ برس کا لڑکا فیل کا فیل معلوم ہوتا تھا مغلانی ساں یوں تو مدت سے تھا۔ مگر اب تو ایک ایک گھڑی ایک ایک سال ل چھان اور شہر بھر کے گھر گھنگال ڈالے۔ مگر لڑکی سمجھ میں نہ آئی ماگوں چھینکا ٹوٹا۔ اور ایک جگہ بات ٹھہری مغلانی سو پیسہ کی بھ

نہ تھی وہ سمجھتی تھی اور ٹھیک جانتی تھی۔ اور درست کہ دولت اتنی کافی اور روپیہ اس قدر وافر
ہے کہ بھر بھر جھولی اٹھاؤں اور روپیہ کی جگہ اشرفی لٹاؤں تو بھی مجھ کو میرے بچے کو اور
دو تین پشتوں کو روپیہ کا توڑا نہ ہوگا۔ وہ صرف صورت کی جویا تھی اور حق یہ ہے کہ خود بھی چونکہ
حسین تھی اور اتنی کہ اس بڑھاپے یا ادھیڑ پنے میں رانڈ ہو کر اور سہاگ کھو کر سو دو سو میں
ایک تھی اس لئے اسکی تلاش غلط نہ تھی لڑکی جو سمجھ میں آئی وہ مغلانی کی ٹکر کی تو نہ تھی۔ مگر وہ
ابھی بہت اچھی سسرال آئی تو دبی دبائی مفلس غریب میاں کے رنگ اور ساس کے ڈھنگ
دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں مذہب تو اللہ کی عنایت سے گھر کیا محلہ بھر میں اسی کا نام تھا۔ ا
زنانہ کلب کی شرکت آندھی ہو یا مینہ ناغہ نہ ہو سکتی تھی۔ مغلانی کا بہو کو اپنے رستہ پر لانا ف
تھا چنانچہ لائی کچی لکڑی کا سیدھا کرنا کونسی ٹیڑھی کھیر تھی۔ اشارے کی دیر تھی۔ بہو ساس
سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئی۔ میاں کے وطیرے وہ کچھ کہ بغیر چھری کانٹے کے کھانے
لگانا گناہ ساس کے سیوئے یہ کچھ کہ ہندوستانی جوتی پہننی حرام۔ بہو بیچاری نے آخر کیا
کیا تھا تھوڑے ہی روز میں ساس کم تھی اور بہو زیادہ ہاں ایک بات تھی جو ساس کو نہ
مگر شوہر کو کچھ زیادہ ہمیشہ ناگوار گذری اور وہ پانچوں وقت کی نماز تھی بن باپ کی بچی اور مفلس
ماں کی بیٹی۔ خدا مفلسوں کو بہت یاد آتا ہے۔ کوار پتے کے جمے جمائے خیال اور میٹھے میٹھے
اثر جوانی میں اور متول میں آسانی سے چھوٹنے والے نہ تھے۔ مزا یہ ہوا کہ سر پر آیا رمضان مغلانی
ضمیر کو تو غرض ہی کیا تھی کہ بہو کے بھستے اور پیاسے مرتے ضمیر تو کھلے خزانے اور ہانکے پکارے
ے داروں پر رات دن ہنستا۔ مگر مغلانی اتنا احسان اللہ پر ضرور کرتی کہ روزے کے بد
آدمیوں کا کھانا مسجد میں بھیج دیتی اور یہ سمجھ کر کہ روزہ صرف غریبوں ہی کے لئے
بھی کچھ نہ کچھ بھیجتی رہتی لیکن گھر میں اور اس قسم کے لوگوں میں رہ کر روزہ رکھنا آ
ر تک تو دونوں ماں بیٹے خاموش رہے جو تھی سحری تھی کہ ضمیر نے ماں سے کہا۔
بھائی پیچھے لگا کہ نیند بھی حرام ہو گئی ہے۔ اول تو یوں ہی بارہ ایک بجے

کہ جہاں ایک دفعہ آنکھ کھل گئی تو پھر نیند نصیب نہیں۔ اگر ایسا ہی روزہ ضروری ہے تو آدمی اس طرح اٹھے کہ دوسروں کی نیند برباد نہ ہو۔ دو تین روز سے یہی ہو رہا ہے۔ اچھا رمضان آیا کہ سونے ہی کے لالے پڑ گئے ؛

(ماں) بیٹا غریبوں کے تو خدا اور رسول الگ ہی ہوتے ہیں۔ مفت کی تکلیفیں ان کی تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں وہ بھگتتے ہیں۔ میں نے تو پرسوں بھی کہدیا تھا کہ روزے کے بدلے دو آدمیوں کا کھانا مسجد میں بھجدیا کرو۔ مگر انہوں نے یہ نہ سنا۔ اب ان ہی سے پوچھو میاں شاکی ساس نانوش روزہ سے فایدہ کیا اور حاصل کیا۔

موٹی سی بات ہے کہ اسوقت مسلمانوں کی حالت ہی ایسی تھی کہ پیٹ کو ٹکڑا نہ تن کو چیتھڑا ایک رمضان پر ہی کیا منحصر تھا۔ یوں ہی بارہ مہینے کے فاقے تھے اسوقت کی ضرورتیں اور تھیں اسوقت کی حالتیں اور ہیں۔ مگر خدا بھلا کرے ان مفلس جاہلوں کا کہ اب تک وہی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں ؛

(ماں) تم اندر کی سہری میں جا سو کل سے کچھ اور انتظام کردونگی۔

ضمیر دلہن جس کا اصلی نام ساجدہ تھا اس لایق تو تھی ہی نہیں کہ میاں یا ساس سے بحث کرتی۔ اول تو ہوا اس پر نئی دلہن اور سونے پر سہاگہ افلاس دل ہی دل میں گڑی جا رہی تھی۔ یہ وقت تو کٹ گیا اور دن گذر کر رات بھی آئی۔ مگر اس نیک بخت نے پھر سحری کھانے کا نام نہ لیا۔ دھونسے کی آواز کان میں آئی اور چوہوں کی طرح اٹھ پانی پی کلی کرائی اور پڑ رہی وہ بھی اگر آنکھ کھل گئی۔ نہیں تو اول ہی شام نیت کی اور لیٹ گئی۔ آدمیوں کی اسد گھر میں کمی نہ تھی۔ چار پانچ مامائیں۔ پانچ چھ رشتہ دار۔ مغلانی ضمیر ساجدہ خلقے مسلمان الگ۔ گھر میں تھے۔ مگر سب ایک ہی منگ میں رنگے ہوئے اور ایک لیہ ہوئے۔ روپیہ کی نخوت دونو ماں بیٹوں پر کچھ اس درجہ چھا گئی تھی کہ موت یا کر بھی تو خیال نہ آتا تھا ؛

کے سب کام اور زندگی کی ہر ضرورت پوری کر دی تھی [illegible] مجھے [illegible] ہم کو پیاس لگے سلام
کراتی ہے۔ پسینہ مجھے آتی ہے جاڑوں میں گرم کپڑے گری ہیں ٹھنڈا پانی کا ... جو میں نے
سو چھوڑ دیا مگر دل کی وہ کلی جو آج ہی کے روز اسیوقت مرجھا گئی اب نہیں کھل سکتی۔ وہ پیاری
وہ تصویر جسکو موت نے میری آغوش سے چھین کر گور سلا دیا میری آنکھ سے جدا نہیں ہو سکتی
میرا عزیز شوہر میرے سر کا وارث میری جان کا مالک میری زندگی کا سہارا چند گھنٹے بیمار رہ کر
اسی عید کی آدھی رات کو میرا گھر سونا میری زندگی برباد میری جان اجیرن اور میرا پردہ
ختم کر گیا۔ آج سے ایک سال قبل یہی دن تھا اور یہی رات وہ دن جس خوشی سے بسر ہوا
وہ اب میسر آنے والا نہیں۔ اور رات جو ستم توڑ گئی۔ وہ دل سے جانے والا نہیں۔ شام
کے وقت جب دل زیادہ تڑپا تو آپ سے تنخواہ مانگی۔ کہیں بھی قبرستان جا کر اپنی عید
مناؤں اور اس صورت کے بدلے اسکے خاک کے ڈھیر کو سلام عید کر لوں۔ آپ نے اس
وقت کچھ نہ دیا۔ میں یوں ہی چلی گئی۔ رستے میں خیال آیا کہ مرنے والا دنیا بھر کے عیش کر گیا
اچھے سے اچھا پہنایا اور بہتر سے بہتر کھایا آج اسکی پاک روح میری شرافت کی ممنون۔
برس کا برس دن دنیا عید کی خوشیاں منا رہی ہے۔ کانوں کی بالیاں اسی کا صدقہ اور اسی
کا طفیل ہے۔ جب وہ نہیں تو یہ رہ کر کیا کریں گی۔ بیچا۔ کھجوریاں اور مٹھائی لیکر قبرستان
پہنچی سینکڑوں ماں کے لال کلیجوں کے ٹکڑے اور جوان شیر ہزاروں من مٹی کے نیچے
دبے پڑے تھے۔ تھوڑی سی فقیرنیاں کچھ اپاہج اور معصوم بچے ادھر کھیلتے پھرتے تھے ان کو کھلایا
اپنے ہاتھ سے پانی لائی اور پلایا اور دعا کی۔ کہ اس کا ثواب اس مرنے والے کی روح کو پہونچے
جس کے دم سے دنیا کی بہار تھی ملاد جس کے بغیر چمن زندگی اجڑ رہا ہے۔ جھٹپٹا ہو رہا تھا۔
چڑیوں نے خدا کی حمد شروع کی کلمۂ حق کی صدا بلند ہوئی۔ اور اسی کی تسبیوں نے گڑگڑا کر جھنجھوڑ
حیات انسانی کے فانی ہونے کا سبق دیا۔ جی تو الٹتا تھا طبیعت گوارا نہ کرتی تھی دل زمانہ
[illegible] پھرتی تھیں۔ مگر اس خیال سے کہ آپکو تکلیف نہو آنا پڑا خوش ہوگی خفا ہو کر گھر سے رکھا

چلی آئی اور اپنی ڈھیر کو جو میرے دل کو تسکین دے رہا تھا تن تنہا چھوڑ آئی ابھی آپ کے گھنٹے نے بارہ بجائے۔ آدھی رات کا وقت ہے اور میں وہ سماں دیکھ رہی ہوں جب ایک زندہ انسان میری آنکھوں کے سامنے مرض الموت میں گرفتار تھا۔ اس نے مجھ کو قریب بلا کر میرے سر پر ہاتھ رکھا تسکین دی اور خدا کے سپرد کیا میں جانتی ہوں کہ وہ مر چکا مجھے معلوم ہے کہ وہ پیوند زمین ہوا مگر دل کا علاج کیا کروں کہ یہ کم بخت اس صورت کو نہیں بھولتا پہلو میں میرے ہے مگر ملکیت اسی کی مجھے خبر ہے کہ وہ ہمیشہ کو چھوٹ گیا۔ مجھے علم ہے کہ وہ ابدی نیند سو رہا ہے مگر آنکھوں کی تدبیر کیا کروں۔ یہ ظالم کسی طرح نہیں تھمتیں یہ پاس میرے ہیں مگر امانت اسی کی ہیں ۔

اتنا کہکر بسم اللہ کی طبیعت بگڑ گئی اور وہ ہانپتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی ۔

ادھر سنسانی خاموشی تھی اور گھنٹہ بتا رہا تھا کہ رفتار عمر کس طرح طے ہوتی ۔ شمع جھلملا رہی تھی کہ رات ختم ہونے والی ہے۔ سوچنے لگی کہ چار روپیہ مہینہ کی ماما میرا ساتھ چھوڑنے والی اس طرح یاد دلا رہی تڑپے اور میں جو ہزاروں مرتبہ کروں کبھی بھول کر اس کا دھیان نہ کروں جس کی بدولت میٹھی راج کر رہی ہوں ۔

اس خیال کا آنا تھا کہ مرحوم کی تصویر آنکھ کے سامنے پھری۔ اور موت کی خوفناک گھڑی سامنے سوچنے لگی کہ موت ہر حال آئی اور یہاں سے جانا مگر وہاں جا کر کیا کرونگی یہ تمام عیش آرام یہ سب چلے جتنے دن زندگی کے ہیں یہاں کی تمام ضرورتیں خوب پوری ہوئیں۔ نفیس سے نفیس کپڑے اعلے سے اعلے زیور قیمتی سے قیمتی بچھونا افضل سے افضل کھانا لیکن کبھی دن کیا کوئی گھڑی اور گھڑی کس کی لمحہ ایسا نہ گذرا کہ وہاں کی ضرورتوں کا بھی خیال آتا اور کبھی کہ ایک روز اس زبردست بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے جس کی حکومت ابدی اور جس کا راج مستقل میری رضا جس کی ناراضی میری خوشیاں فانی اور میری امارت باقی کا [illegible] دریا کی [illegible] ان [illegible] میں غرقاب اور [illegible] ابھی کچھ دیر کی رہی بیا بہت

کہ نیند آ جائے۔ مگر نہ آئی مجبوراً اُٹھی ادھر ٹہلی اُدھر ٹہلی۔ بڑی داروغہ کو بلا کر حکم دیا قصہ سناؤ قصہ سنتی رہی مگر نیند کسی عنوان آئی تھی اور نہ آئی۔ دوسری داروغہ سے کہا کتاب پڑھو۔

کتاب خواں۔ شروع سے کوئی کتاب پڑھوں۔

مغالانی۔ نہیں یہ تو یہاں سے پڑھو۔

کتاب خواں۔ جدت کی دھتیا اور مغرب کی پسیا کلب کے جلسے سے لوٹی تھی۔ گرمی کا موسم تھا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے فرحت افزا کر رہے تھے۔ گاڑی ساتھ تھی حکم دیا کہ گھر جاؤ۔ خود پیدل چلنے لگی۔ وقت سہانا تھا۔ اور ہوا سرد دور نکل گئی اور ایسی سڑک پر جا پہنچی۔ جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ چاروں طرف بھٹکتی پھری مگر کہیں رستہ نہ ملا۔ یہاں تک کہ رات نے سیاہی کا برقع روئے زمین کو اڑھا دیا اور جنگل میں سناٹا چھا گیا۔ ہر طرف نگاہ دوڑائی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مگر آدمی نہ آدم زاد دل ہوا ہوا کلیجہ دھکڑ دھکڑ کرنے لگا۔ ہوا کے فراٹوں کے سوا اس اندھیرے گھپ میں اور کوئی آواز نہ تھی۔ چیختی چلاتی دوڑی پھری۔ حیران پریشان ٹھیری۔ مگر دم بے سود اور یہ بیکار خوف کے مارے اور دہشت کے سبب دم نکل رہا تھا اور روح فنا ہو رہی تھی آسمان کے تارے بھی ٹمٹماتے لگا کر روپوش ہوئے اور سیاہ گھٹا نے ڈیرے ڈالے دفعتہ اولوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی اور سفید چادر بیابان کے ہر حصہ میں بچھ گئی۔ بادل کڑک رہے تھے مگر بجلی مطلق نہ تھی۔ اولے پڑ رہے تھے لیکن مینہ بہت ہلکا تھا۔ تو میاں جنہیں عمر بھر کبھی پچھلی عمر جیسے گذشتہ دن یوں ہی کٹے اور اس طرح بسر ہوئے کہ رنج خواب میں اور تکلیف بھول کر بھی پاس آ کر نہ پھٹکا اس پر جو کچھ گذرتی وہ بیان سے باہر ہے۔ ساکت تھی۔ خاموش تھی۔ سہمی ہوئی۔ ڈری ہوئی۔ لرز رہی تھی۔ تھرا رہی تھی۔ گھبرائی ہوئی۔ سٹ پٹائی ہوئی۔ کبھی ادھر سے ادھر تک بھاگتی اور دوڑتی۔ کبھی ایک جگہ کھڑی ہو جاتی اور بیٹھ جاتی۔ مگر اطمینان کی صورت پناہ کی کوئی جگہ میسر آئی نہ نصیب ہوئی۔ گیدڑ چیختے لنگور چلا

کہیں نشان تک نہ تھا۔ ہریالی کی بجائے جھاڑیاں تھیں چٹانیں تھیں۔ پہاڑ تھے۔ راکھ کے ڈھیر تھے۔ خاک کے انبار تھے۔ اب جدھر کی رشید النسا بیگم کو یقین ہو گیا کہ دم نکلا اور جان چلی۔ یہ قیامت خیز سماں یہ مصیبت انگیز وقت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ سناٹے کا میدان اور ہو کا عالم تھا۔ رستہ بتاتا تو درکنار کوئی بات تک کرنے والا نہ تھا۔ کپڑے سے چوڑا بدن، شور بہ شور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔ دفعتاً آنکھ کے سامنے سے روشنی نمودار ہوئی رفتار بجلی سے تیز اور ہوا سے زیادہ ہلکی کہ یا تو دھندلی سی جھلک تھی یا آناً فاناً آنکھ کے سامنے دیکھتی کیا ہے کہ مرحوم شوہر ہاتھ میں چراغ لئے روبرو کھڑا ہے۔ کپڑے سپید براق۔ بلکہ وہی کفن جو دیا گیا تھا بدن پر ہے۔ لگی چیخیں مارنے۔ مگر ہوتا کیا تھا اور سنتا کون۔ بدن میں رعشہ ہاتھ پاؤں میں کپکپی۔ کہتی تھی زمین میں دھنس جاؤں۔ زمین پھٹے جس میں سما جاؤں۔ مردے نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا۔

او بد نصیب بیگم بخت عورت تو کس برتے پر کس بھروسے پر کس بل پر اسقدر اتراتی تھی؟ تجھی کو اتنا گھمنڈ تھا کہ نماز سے روزے سے خیرات سے نفرت و وحشت تھی۔ بیشک خدا نے اپنی قدرت سے اپنی رحمت سے اپنی عنایت سے تجھ جیسی عورت کو جو دو دانوں کو محتاج تھی پر راج کروایا۔ تو جن کا منہ تکتی تھی۔ وہ تیرے منہ کو دیکھتے اور جو تجھ کو منہ نہ لگاتے تھے وہ تیرے تلوے چاٹنے لگے تو وہ جس کو پیٹ بھرنے کو ٹکڑا نہ تھا۔ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا گھر کی ملکہ اور نوکروں کی بیگم بن گئی۔ کیا وہ خدا جس نے تجھ پتھر کو لعل اور تجھ لونڈی کو بیگم بنا دیا۔ تجھ نافرمان کو باندی اور مکار کو لونڈی نہیں بنا سکتا۔

رمضان کا مبارک مہینہ آئے اور نکل جائے آسمان کے فرشتے زمین سے آسمان تک اس کے فراق پر آنسو گرائیں اور تجھ کو تیرے گھر والوں کو غیرت تک نہ ہو۔ خدا کے نیک بندے اپنے معبود کے حکم کی تعمیل میں لبیک کہیں اور

توان پر خفا ہو ایک نیک لڑکی۔ ایک مسلمان عورت تجھ جیسی ناہنجار اور جفا شعار۔۔۔ میں پھنس کر سحری و افطار سے محروم ہو مسلمان کا گھر اور سحری گناہ افطاری حرام مظلوم تیرے ظلم سے محکوم تیرے حکم سے دو گھونٹ پانی کے پی کر روزہ رکھے۔ تو ڈٹ ڈٹ کر کھاتے اور تن تن کر پیئے۔ اور روزہ دار بارہ تیرا گھنٹہ کا پہاڑ سا دن گذار کر بھی پانی پی سے۔ افسوس تیری حالت پر اور شرم تیری صورت پر۔ دیوانی کس برتے پر تتا پانی ذرا اس خدا سے جو خدا ہے اور جھک۔ اس آقا کے سامنے جو آقا ہے۔ ذرا غور کر اپنی ہستی پر ایک ذرہ بے مقدار ایک لونڈی گنہگار جو دن بھر کی محنت اور رات بھر کی مشقت سے پیٹ بھرتی تھی۔ اس قابل ہوگئی کہ ایک گھر پر حکومت اور ایک کنبہ پر راج کرے۔ انسانیت کا تقاضا انصاف کی شان اور ایمان کا مطلب یہ تھا کہ دینے والے کے احسان کا عطا کرنے والی کی عنایات کا رحم کرنے والے کے ترحم کا۔ کرم کرنے والے کے کرم کا معاوضہ تو کیا ہاتا اور بدلا تو کیا پھر ممکن تھا۔ مگر افعال سے اعمال سے عجز سے انکسار سے اقرار کرتی۔ اعتراف کرتی جانتی اور سمجھتی عرض کرتی اور کہتی کہ ایک ذلیل ہستی ایک رذیل عورت کو تو جس نے معراج کمال پر پہونچایا۔ ہر حمد اور ہر سجدہ کا مستحق ہے؛

کیا تیری آنکھیں نہیں دیکھتیں کہ تجھ سے بہت بہتر شکل و صورت والیاں عزت و حرمت والیاں مٹھی مٹھی بھر چنوں کو ترس رہی ہیں۔ کیا تیرے کان نہیں سنتے کہ تیری بہت سی بہنیں رنڈاپے کی چادر اوڑھ کر معصوم بچوں اور یتیم بچیوں کو کلیجہ سے لگا کر بھوکی پڑی ہیں۔ تو دیکھتی ہے اور ہر وقت کہ تیری جیسی اسکی بندیاں تیرے آگے آکر گڑگڑاتی ہیں۔ تو نے

اور ہر لمحہ کہ تجھ ہی جیسی مسلمان بیویاں مصیبت کے پاٹ بیل کر خدا کے احکام کو پورا کرتی ہیں ؟

وہ وقت زیادہ دور نہیں جو بتائے گا کہ جسکو اپنا سمجھا وہ غیر تھا۔ اور جسکو غیر جانا وہ اپنا تھا !

مغلانی کتاب کی شروع ہی کی سطریں سننے پائی تھی۔ کہ اسکی آنکھوں میں اپنی عمر گذشتہ اور حالت موجودہ کا تمام نقشہ پھر گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ خود اسی کی تاریخ کوئی شخص لکھ رہا ہے بسم اللہ ہی کی مصیبت نے اسکی طبیعت خراب کر دی تھی۔ کتاب نے بالکل ہی بے قابو کر دیا اور یہ حالت ہو گئی۔ کہ گویا نصیر اسکی بربادی کی داستان بیان کر رہا ہے۔ سنتے ہی سنتے بیری کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔ سب کو ہٹا دیا۔ بہت دیر تک روتی رہی۔ اب نیند کہاں۔ کھڑی ہوئی اور صحن میں آئی تو پو پھٹ رہی تھی۔ اور یہ سماں بجائے خود اس قدر موثر تھا کہ ہر شے پر جو آنکھ کے سامنے تھی فنا کا جلوہ برس رہا تھا اور رخصت ہوتی ہوئی رات جو مریض کی طرح دم توڑ رہی تھی آنے والے مہمان سے گلے مل مل کر بے ثباتی دنیا کے نعرے لگا رہی تھی اس منظر نے یقین دلایا۔ کہ موت سر پر آ پہونچی۔ ندامت کے آنسوؤں سے روتی ہوئی نماز کو کھڑی ہوئی ؟

(۳)

بھلے گھوڑے کو ایک چابک بھلے آدمی کو ایک بات مغلانی اگر آدمی ہوتی اور آدمی بھی سمجھدار تو بسم اللہ کی داستان اور کتاب کا بیان دونوں عبارت زندگی کی ان بنیادوں کے واسطے جو گر رہی تھیں اڑواڑ کا کام دیتے اور ڈگمگاتا ہوا ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط ہو جاتا۔ مرجانی اور اس سبق کو نہ بھولتی۔ کھوئی ہوئی دولت اور گئی ہوئی نعمت خدا نے گو بیٹھے دی۔ مگر طبیعت میں شرافت ہوتی اور اصلیت سے بے خبر نہ ہوتی تو یہ نوبت ہی کیوں ہوتی تسبیح بھی کھٹا کھٹ رہی اور نماز بھی جھپا جھپ مگر ادھر نولڑا ہی غفل ادھر گذر اوقت

وہ ڈر رہا نہ خوف نماز کبھی کبھار کی تو ہو ہی جاتی تھی۔ مگر تسبیح کا جوش تو مشکل سے کوئی پندرہ دن رہا۔ اور آخر کار وہ لہو و لعب وہی دنیا اور دنیا کے دھندے وہی کلب اور کلب کے چندے اس گود کی اور اس دودھ کی ایسی ماں کی اور ایسی عورت کی اولاد جیسی اٹھتی ظاہر ہے۔ ضمیر آغاز شباب ہی میں عذاب ثواب کا قایل نہ تھا اور اتنا مسلمان تھا کہ بیری کی سحری اپنی نیند پر قربان کر دی۔ پورا جوان ہوا تو عمر کے ساتھ ہی ساتھ لامذہبی میں بھی ترقی کرتا گیا غضہ اس پر آتا ہے کہ پڑھا نہیں لکھا نہیں۔ مگر مشکل سے مشکل مسئلے اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملے میں رائے دینے کو موجود اور صلاح دینے کو تیار۔ حدیث۔ قرآن۔ فقہ۔ منطق کوئی بحث ایسی نہ تھی جس میں وہ بند اور کوئی گفتگو ایسی نہ تھی جس میں وہ خاموش ہو۔ مگر بڑی مشکل آکر یہ پڑی کہ میاں بیوی کے مزاج میں آسمان زمین کا فرق تھا۔ ساجدہ اول اول تو میاں اور ساس کے رنگ میں کچھ اسی طرح ڈھل گئی تھی۔ بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے۔ مگر میکے میں ایک روز وعظ ہو رہا تھا۔ وہاں جو مولوی صاحب کی تقریر سنی تو لرز گئی اور عہد کر لیا کہ جان رہے یا جائے اور گھر بگڑے یا سنورے میں اس حق کی طرف قدم بڑھاؤں گی۔ جو درحقیقت منزل کا پوشیدہ راستہ ہے وعظ تو معمولی تھا۔ مگر خاتمہ پر جو تقریر ہوئی اس کا ہر لفظ ساجدہ کے دل میں اتر رہا تھا۔

بیویوں! اگر وہ بھی آواز جو فانی دنیا کے کان میں پہنچا کر ایک زبردست واقعہ کا اعلان کیا یاد ہو تو صداقت کے کانوں سے سنو اور انصاف کی نظر اس شجر حیات پر ڈالو اس درخت پر رنگ برنگ کے طایر اپنی اپنی بولیاں بول گئے اور ایسے ایسے نغمے گا گئے کہ اب تک ان کا رس کانوں میں موجود ہے۔ ان کا تبسم ایک رات کا بسیرا تھا۔ وہ اذان مغرب کے ساتھ ان ڈالیوں پر چہکے اور نماز فجر سے قبل رخصت ہو گئے۔ مگر پانی کے وہ چند قطرے جو سب سے پہلے جسد خاکی پر پڑے اور جن کی تہ میں غسل آخر پنہاں تھا فراموش نہ ہوئے ہوں تو شوق سے کہو اور قدم

ذرا اٹھاؤ ایمان کی آنکھیں کھولو اور دیکھو اس چمنستان زندگی میں ایسے ایسے گلہائے رنگین کھلے ہیں جن کی خوشبو نے ایک دنیا کو مہکا دیا۔ ان کا عرصۂ حیات صرف ایک رات تھی۔ غروب آفتاب نے ان کو زندہ کیا۔ اور رفتار صبا سے پہلے مرجھا گئے۔ اب وہ طائر ہیں نہ پھول۔ مگر ان مسافروں کے نقش پا ابھی موجود ہیں۔ ان کے کارنامے ماہ کامل کی طرح روشن اور آب زلال کی طرح صاف ہیں۔ آؤ باغیچہ فانی کے ان سرسبز و شاداب پودوں پر نظر ڈالیں جنہوں نے عورت کی ہستی میں نام کیا۔ آج بھی وہی چہرے ہیں وہی صورتیں وہی نکھرے ہیں وہی موتی ہیں۔ مگر ان چہروں پر وہ نور ان پھولوں میں وہ خوشبو ان پودوں میں وہ طراوت نہیں جو آج سے نصف صدی بیشتر تھی۔ ان نقش قدموں پر قدم رکھ کر پتہ ڈھونڈو اور سراغ لگاؤ۔ جستجو کی کوشش اس جگہ پہنچا دے گی۔ جہاں تلاش کی آنکھیں ایسے منظر دیکھیں گی جن کے ساتھ ہی شان اسلام کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ گاہ صورتیں دیکھیں گے جن کی رگ رگ سے وہ نکھر دیکھیں گے جن سے چپے چپے اسلام کی صداقت ظاہر ہوگی۔ مگر دل پھر کر دیکھنا ہی پھر کر ٹھیٹھ اور پیٹ بھاگ کر دیکھ لینا آنکھیں ان صورتوں کو جی ان باتوں کو۔ دل ان حالات کو اور نگاہیں ان خیالات کو ترسیں گی۔ اور ناکام ڈھونڈیں گی اور بے سود۔

یہ وہ عورتیں ہیں جن کے بال سفید متانت کی کنگھی سے آراستہ اور جن کے مخلص دل صداقت کے پھولوں سے پیراستہ ہیں ان کے سروں پر حیا کے دوپٹے احمد آبادی اور گجراتی بیلوں سے مزین نہ ہوں مگر ان کی صوفی چادریں [illegible] جن سکھ کی دہری خوف خدا کے پسینہ سے [illegible] ان کے دل [illegible] مذہبی ہیں۔ یہاں مذہب زبان سے کہتے اور

قلم سے لکھنے کو نہیں ہے۔ جس عمر کی لڑکیوں میں ماں باپ کے ڈوروں میں پالوں ہیں جناؤں میں چھاؤں بڑھا پالوں ہیں یہ ہر شے سے اور ہر فعل سے مذہب کا یقین بلکہ یہ اسلام کا روان سب چیزوں پر ہو دیکھو یہ آنکھیں نورِ نفیس کے گوڈ ا پل اور معاملت کے سلسلے سے آراستہ ہیں۔ جہاں ان کا زیور ہے۔ شرم ان کا لباس ادب ان کا جوہر ہے اور تبسم ان کا شیوہ! دیکھو سامنے دیکھو اس خاتون پر نظر ڈالو۔ یہ بال کامیابی حیات کا سہرا باندھ کر سفید ہوتے ہیں یہ آنکھیں گھڑیوں خوف ندامت سے روئی ہیں اور یہ پیشانی گھنٹوں سجدے میں پڑی ہے۔ دنیا کی قابل ناز ہستیاں اور آخرت کی لائق فخر دیویاں ہیں یہ مفلس اور فقیر نہیں وہ ہے جس کے ہاتھ سے ہزاروں لاکھوں روپیہ عمر بھر اٹھا اور اب بھی ایک معقول خاندان اور پورے گھرانے پر حکومت کر رہی ہے۔ یہ نواسوں کی نانی اور پوتوں کی دادی ہی نہیں نوکروں کی آقا اور لونڈیوں کی مالک بھی ہے۔ اقبال کے سایہ میں جوانی بڑھاپے سے بدلی اور آج غلق کی زنجیر اس بوسیدہ گھر اور تنگ مکان میں گھسیٹ کر لائی ہے چھوٹے لڑکے کا بیاہ ہے اور مفلس بھابی کو بلاوا دینے خود آئی اس منہ باتیں نہیں پھول جھڑ رہے ہیں۔ یہ پھول سہنے والے نہیں اپنے دامن بھر لو۔ کان ان باتوں کو اور دماغ ان خوشبوؤں کو ترسیں گے۔ گرزمانہ بہت جلد چمن اسلام کو ان جوہروں سے محروم کرنے والا ہے۔ واقعات فسانہ اور معاملات خواب وخیال ہو جائیں گے۔ صداقت کی شہادت پیش نظر رکھ کر ایمان کی ترازو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرنا اور بتانا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔

اے ہے مریم قربان کی تھی ہمک میں تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ایک بھیجدینی۔ اس مردار نے مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا۔

مریم۔ خالہ اماں ہمیک کا کیا ہے۔ یہ تو میں نے ایک بات یوں ہی کہدی۔ اللہ آپ کو شادی رچانی نصیب کرے۔ میں تو بڑی خوشی سے چلتی۔ مگر ادھر تو بچوں کو دیکھ لیجئے اسکی آنکھیں دکھ رہی ہیں اس کے گاگن نکل رہی ہے اُدھر ان کے اپنے کھانے پینے کا کچھ انتظام نہیں ہے خدا اسنے چاہا تو کسی جلسے میں آکر شریک ہو جاؤں گی ؛

خالہ۔ بیٹی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہے بچے اچھے نہیں ہیں تو وہ بھی تو اپنا ہی گھر ہے کسی غیر کا نہیں۔ جو ضرورت ہوگی انتظام ہو جائے گا۔ میاں کی تم نے خوب کہی بیٹیاں میکے جاتی ہیں تو کیا داما دوں کے کھانے کا الگ انتظام ہوتا ہے۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں جانتے گھر والی کے آنے سے مرد کو کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ یہی کہیں دنیا میں ہوا ہے کہ بیٹی کو تو بلا اور داماد کو بھول گئے۔ پہلے کھانا ان کا پیچھے تمہارا جو چٹنی روٹی اللہ دے گا پہلے وہیں پہنچ جائے گا۔ پھر تمہارے آگے رکھیں گے۔ بلا اور حقیقت ان ہی کا ہے۔ مگر لے تم کو اس بھی تو زمانے اتنی ترقی نہیں کی کہ بیٹیوں سے واسطہ رکھیں اور دامادوں کے آرام سے ہو جائیں تمہاری شرکت ضروری تمہارا چلنا لازمی اور تمہاری موجودگی اٹل ہے مریم تمہارا نہ جانا سب کو کھٹکتے گا کہ سگی ماں جائی بہن جہاں آرا کی بچی شہر کے شہر میں موجود ہو اور دولہا کو کیا کہنا کہ میری آنکھیں تو آج تین دن سے جہاں آرا کو ڈھونڈھ رہی ہیں وہ اگر موجود ہوتی تو بھانجے کو دولہا دیکھ کر کتنی خوش ہوتی ؛

مریم۔ یہ تو آپ درست فرماتی ہیں مگر میری حالت تو بھی تو دیکھئے۔ خیر گہنا پاتا نو میرے کا ہے نسکوہ نہیں مگر کپڑے تو ڈھنگ کے ہوں۔ کچھ ایسی آکر پڑی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی پڑی ہیں مگر بھائی تو چھوٹا ہے۔ اسوقت تو آپ معاف کیجئے پھر دیکھی جائے گی ؛

خالہ۔ لڑکی تیری عقل کو کیا ہو گیا۔ امیر غریب ایک ہی خاندان کے ٹکڑے ایک ہی پیڑ کے جیسے ہیں۔ پتے کیسے ہی ہو جائیں۔ کوئی سبز ہے۔ کوئی زرد۔ مگر جڑ تو ایک ہی ہوتے نہیں کئے کپڑے اور گہنا لے آئی ہوں۔ تم منہ ہاتھ دھو و۔

کنگھی چوٹی کرو۔ بچوں کو نہلا دو۔ ان کے کپڑے بھی موجود ہیں۔ گاڑی تیار کھڑی ہے۔ بیگم جلدی کر

مریم۔ کیا عرض کروں اس وقت تو جانے ہی دیجئے میں انشاء اللہ دو چار روز میں حاضر ہوں گی ؎

خالہ۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہے تم کو وہم نہیں آتا کہ بھائی کے سر پر آنچل نہ ڈالو

مریم۔ پھر آپ فرمائیں گی کہ ان لڑکیوں کے دماغ بگڑ گئے ہیں۔ کیا آنچل ڈالنا نہایت ضروری چیز ہے میں تو اسکو ایک فضول رسم سمجھتی ہوں آپ اس پر اس قدر زور کیوں دیتی ہیں ؎

خالہ۔ میں نے تو یہ کبھی نہیں کہا۔ کہ ان لڑکیوں کے دماغ بگڑ گئے۔ ہاں یہ کہتی ہوں کہ جدت نے انکی آنکھوں میں کچھ ایسی چکا چوند پیدا کر دی ہے کہ اپنے اصلی جوہر کو فراموش کر رہی ہیں۔ تم اس آنچل ہی کو لیلو۔ فضول کہہ رہی ہو۔ مگر اسمیں ایجاد کرنے والوں نے کچھ نہ کچھ ضرور رکھا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنچل اتنی ضروری چیز ہے تمہارے آنچل کے نکاح ہی نہیں ہو سکتا یا تمہاری شرکت آنچل میں نہایت ضروری ہے میں اسکی خوبیوں کی قائل ہوں اور یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم اپنی ندامت کی [illegible] کیا تم کو اس سے انکار ہے کہ بیٹی پرایا دھن ہے اور وہ صرف شوہر کی [illegible] بعد جو حق شوہر کا اس پر ہے وہ والدین کا نہیں ؎

مریم۔ جی نہیں ہرگز انکار نہیں۔

خالہ۔ بس تو جب یہ یقین ہے تو یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ داماد ایسے بھی [illegible] ہیں جن پر بیٹے قربان نہیں تو آستین کے سانپ ہیں۔ ادھر ماں باپ کو اس سے زیادہ عمر میں کونسی خوشی ہوگی کہ بیٹے کا بیاہ ہو رہا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ [illegible] خوشی میں بیٹی اور داماد کو بھی شریک کریں۔ کیونکہ [illegible] کسی [illegible] کر ہی نہ سکتے تھے۔ ہاں یہ رسم مقرر کر دی کہ بہن دلہن کے سر پر آنچل [illegible]

تاکہ داماد اس شرکت کو معمولی بات نہ سمجھے۔ کچھ زور ان رسموں کا بھی پڑے اب اگر اس شرکت میں کچھ خرچ ہوا ہے دور سے آیا ہے تو اس کا نیگ بھی مقرر کر دیا کہ ماباپ دیکھ کر بیٹی داماد کا کیا اٹھا اس رسم کو نہ صرف ادا کر دیں۔ بلکہ جیسا موقعہ ہو اس بہانہ سے سلوک کریں ۔

دوسری بات اور ہے دولہا گھر میں آیا۔ وہ دولہا کی حیثیت سے تمہاری لئے میں ہشاش بشاش ہوگا۔ مگر ہماری رائے میں اسکی حیثیت شرگیں بھی ہے کہ وہ بڑی بوڑھیوں کے سامنے دندناتا ہوا داخل ہوگیا۔ وہ اگر تنہا ہوگا تو اس کا حجاب اور ترقی کرے گا۔ اسلئے دروازہ ہی میں دوسری ہستیاں اسکی شرم میں شریک ہوکر اسکے حجاب کو دفع کر دیں گی ایک تیسری بات اور ہے دولہا اس سے پہلے گھر میں نہیں آیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ دولہا ہے ضرورت ہے کہ اس کا استقبال بھی کیا جائے۔ گھر کا رستہ بھی بتایا جائے۔ لڑکی [illegible] اس وقت سامنے آ نہیں سکتیں۔ کیا یہ معقول تدبیر نہیں ہے کہ خود بہنیں ہی اس سلسلہ [illegible] اس کام کو سرانجام دے لیں۔ ایک چوتھی بات اور سنو کچھ ضرورتیں ایسی پیش آئیں کہ چپکے سے کوئی بات دولہا سے کہنی ہوتی ہے کچھ ہدایت کرنی ہے۔ کچھ بتانا ہے کیا اس وقت کا [illegible] نہیں ہوسکتی۔ رہی یہ کی [illegible] جن پر آج منہ آتی ہو سب مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ رسمیں [illegible] شامل کریں یقیناً قابل اصلاح ہیں [illegible] تو سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہیں اب تعلیم جو گل کھلا رہی ہے وہ ظاہر ہے اسکا بڑا اثر محض نفسانیت کی ترقی ہے۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے میں تمہاری بہن کے ہاں بیٹھی تھی فہمیدہ بھری اپنے دنوں کی ماما تنخواہ مانگ رہی تھی [illegible] تمہیں تو چار دن بیماری کی تنخواہ صاف کاٹ لی۔ میں نے بہتیری بحث کی مگر بیوی تو ہر چھ ساتھ [illegible] خدمت کرنیوالی چار دن بیمار ہو گئی تو یہ غضب مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے

کہہ با جیٹھی یہ تو زیادتی ہے قسمت کی کیا ہیں آپ اسمیں دخل نہ دیجئے تو کرا اسیطرح درست رہتے ہیں ؛

بھلا بیوی ہیں یہ باتیں کیا جانوں میں نے تو اماں جان کو دیکھا ہے ان کے پاس ایک ماماتھی کرم بی اس کا ایک بھتیجہ تھا فضلو ۔ باپ ڈیڑھ مہینہ کا چھوڑ کر مرا کوئی دو سال کا ہوگا کہ ماں بھی مرگئی پھوپھی کے ساتھ رہتا تھا ۔ خاصا چودہ برس کا ہوگا ۔ کوسٹھے پہ کھڑا کنکوا اڑا رہا تھا پاؤں پھسلا اور دو منزلے سے گرکر نیچے آیا ۔ عمر تھی بچ گیا ۔ مگر ایک ٹانگ ایسی بیکار ہوئی کہ دنیا بھر کے علاج کر ڈالے اور کسیطرح آرام نہ ہوا ۔ بدنصیب کی ماں تھی نہ باپ ایک پھوپھی ہی پھوپھی تھی ۔ اس درد سے رات بھر کراہتا کہ کلیجہ پر چوٹ لگتی ۔ ڈیوڑھی میں پڑا رہتا تھا ۔ اور کوئی اتنا نہ تھا کہ کبھی ٹانگ اٹھا دے ۔ رات کے وقت کرم بی جاکر تھوڑی دیر بیٹھ جاتی مگر بھائی کی اولاد اور اپنی اولاد میں یہ فرق ہوتا ہے کہ چند روز میں اکتا گئی ۔ سچ مچ کا بے وارثا وہ تھا کہ دنیا کی کروڑہا مخلوق میں ایک ذی روح ایسی نہ تھی کہ اسکی ٹانگ پر تیل کی مالش کردے کرم بی بھی ٹل جاتی اور یتیم ایک ایک کا منہ دیکھتا اور تڑپتا ۔ ایک رات کا ذکر ہے اماں سوری تھی اور ہوا مریض کے زخموں پر پھریریوں کا کام کرتی تھی ۔ کوئی نو بجے ہوں گے اس نے اماں کو بلایا وہ سامنے کا بچہ تھا پردہ نہ کرتی تھیں ۔ دونوں وقت کی روٹی دوا کو ایک پیسہ روز دیتی تھیں ایک مٹکا اسکے سرہانے پانی کا اور چوکی پاٹی رکھوا دی جب وہ گئیں تو فضلو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا ؛

بیگم صاحب آج میری حالت خراب ہے ۔ میں ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت دونوں سے محروم ہوں میرے سر پر خدا کے سوا کوئی وارث نہیں ۔ میرا اگر دنیا میں کوئی سہارا ہے تو آپ کی ذات ۔ مجھے شام سے سردی بہت لگ رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دم نکل رہا ہے ۔ پھوپھی سے دو تین دفعہ کہا ۔ نہیں سنا ۔ بیگم صاحب میں کانپ رہا ہوں اپنے بچوں کا صدقہ کوئی رضائی دے دیجئے ۔ اماں جان نے اگر رضائی نکالی اور اپنے ہاتھ سے

بات گئی گذری ہوئی۔ کوئی پندرہ روز بعد کا ذکر ہے کسی بات پر چھوٹی آپا کرم بی سے خفا ہوگئیں اور بات ایسی بڑھی کہ کرم بی اپنا ختر بختر سنبھال سیدھی ہوئی۔ چھوٹی آپا اسکا تو کچھ نہ کر سکیں، بزلہ بر عضو ضعیف۔ جھوبجل اتری تو غریب پر گئیں اور کہا جا تو بھی جا جب پھوپھی ہی چلی گئی تو تیرا یہاں کیا کام۔

اب ذرا اسوقت کا خیال کرلو ایک بن ماں باپ کا بچہ۔ اپاہج۔ یتیم ایک حاکم گھر والی کے حکم سے اس حالت میں کہ وہ کروٹ بھی مشکل سے لے سکتا ہے نکل رہا ہے۔ تم خود ہی اندازہ کرو کس طرح چارپائی سے اترا اور چلا ایک بالشت چلتا ہے اور چیک کے مارے جان نکل نکل جاتی ہے۔ روتا ہے چیختا ہے۔ چلاتا ہے اور پھر تھم کر آگے بڑھتا ہے۔ تین چار گھنٹے میں مشکل سے دس بارہ گز چلا ہوگا۔ رات چاندنی تھی اور موسم سرد بدنصیب لحاف لے جا سکا نہ چادر۔ ماہتاب نے مظلوم یتیم کو آغوش میں لیا۔ دس بجے ہونگے کہ ابا جان آئے اور آتے ہی پوچھا کہ فضلو کہاں ہے۔ چھوٹی آپا نے کہا کرم بی نکل گئی اسکو بھی نکال دیا۔ وہ تو یہ کہکر خاموش ہوگئے کہ بہت برا کیا۔ اماں جان نماز عشا پڑھ رہی تھیں اور ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ مجھے یاد نہیں انہوں نے نماز کے آگے کسی چیز کی پرواہ کی ہو۔ یہاں تک کہ تمہاری اماں کے مرنے کا تار یا بیماری کی خبر پہلے سے تھی سب گھبرا گئے۔ مگر انہوں نے نماز نہ چھوڑی۔ مگر یہ سنتے ہی کہ فضلو کو نکال دیا انہوں نے سلام پھیر کر اتنا تو کہا:۔

"ہے ہے کم بخت یہ کیا ظلم کیا"

اور برقع ہاتھ میں لے ڈیوڑھی میں آئیں۔ فضلو سامنے پڑا سسک رہا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہیں تو ابا جان۔ رات خاصی آگئی تھی۔ سڑک پر سناٹا تھا ان سے چارپائی پکڑوائی اس کے پاس گئیں جگایا اور چارپائی پر لٹا کر لائیں۔ ابا جان چلے آئے وہ اسکے پاس بیٹھیں بیں۔ مگر فضلو کی نگاہ اماں جان کے چہرے پر تھی۔ اسمیں کیا تھا میں نہیں کہہ سکتی۔ مگر اتنا کہہ سکتی ہوں کہ بیش قیمت سے بیش قیمت شے اسکی برابری نہیں کرسکتی۔ وہ چلو۔ جلدی کرو۔ میں نکو

لے کر جاؤں گی چھوڑوں گی نہیں۔ تقریر کا اثر تھا یا وعظ کا نتیجہ یا بیٹوں کے خیالات کا جو اثر ساجدہ پر پڑا تھا ایسا زائل ہوا کہ چھینٹ بھی نہ رہی اور ایسی حالت میں ساجدہ کی زندگی ساس اور میاں دونوں کے واسطے خاصی مصیبت تھی۔ میاں کی زبان سے برسوں خدا کا نام نہ نکلے بیوی قدم بھی اٹھاتی تو بسم اللہ کہہ کر۔ باوجود اس عزت اور حشمت کے جو خدا نے اسکو دی۔ وہ میاں کی محبت۔ ساس کی عنایت اور اپنی حالت کو نہ بھولی۔ کھانسی ہو بخار ہو درد ہو کوئی تکلیف ہو۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ نماز ناغہ ہو جاتے۔ کڑکڑاتے جاڑوں میں بیماری کی حالت میں ٹھنڈے برف پانی سے وضو منظور۔ مگر نماز کا نہ پڑھنا تو کیسا قضا پڑھنا بھی منظور نہیں ضمیر نے اپنی طرف سے بہت سمجھایا۔ مگر اس نے نماز نہ چھوڑی۔ قیاس چاہتا ہے کہ اس نافرمانی کی سزا ساجدہ کو یہ ملتی کہ ضمیر اسکی صورت سے بیزار ہو جاتا اور یہ دیکھ کر کہ کمبخت اسی جہالت کا پیٹنا پیٹے جا رہی ہے بات تک کرنی چھوڑ دیتا۔ مگر ایسا نہ ہوا اس سزا پر بھی ضمیر اسکی صورت کا دیوانہ تھا اور اگر یہ نہ کہا جا سکے کہ اسکا خدا اس کے ساتھ تھا تو اس کہنے میں کیا تامل ہوگا کہ زیور پہنکر اور پیٹ بھر کر ملتے اور مصیبت ہمیشہ اس کے پیش نظر رہی اس نے جس طرح تکلیف کو عارضی اور اذیت کو فانی سمجھا اسیطرح راحت کو چھاؤں اور مسرت کو چاندنی۔ افسوس یہ ہے کہ ملانی دنیا کی راحتوں کو جلد ختم کر گئی ورنہ وہ کم سے کم یہ دیکھ لیتی کہ لاپروائی کے جو بیج وہ گھر میں بو رہی ہے۔ یہ آیندہ نسلوں تک کو غارت کر کے چھوڑنے والے ہیں کچھ ایسی بڑھیا بھی نہ تھی۔ پچاس باون برس کی عمر تھی گٹھا ہوا بدن آدھ سیر بالائی مرتے مرتے ناغہ نہ ہوئی مرنے کو عمر تھی نہ اندیشہ دکھ بھی خاصی اچھی بھلی چنگی کلب سے آئی جون کا مہینہ تھا گرمی تڑاتے کی پڑ رہی تھی کچھ تھکان کچھ واقعی حبس آتے ہی نہائی نہا کر اٹھی خالی پان کھایا بیٹھی باتیں کر رہی تھی اُدھر اُٹھا اور ساتھ ہی سینہ میں درد اسیوقت ڈاکٹر لیڈی ڈاکٹر ہندوستانی ڈاکٹر کا انشہ سب جمع ہو گئے کسی نے نمونیہ کہا کسی نے معمولی بخار تین دن اور تین

رات اسی طرح پڑی رہتی۔ چوتھے دن حالت بگڑ گئی۔ بہو تھی تو پرائی جائی۔ مگر ساس کی پٹی لمحہ بھر نہ چھوڑی نجاست۔ صندل اور عطر کی امرت کر دیا۔ پھر بھر بر رومال مجسم کے اپنے ہاتھ سے پھینکتی اور مشک کی ختی ہو چھپنا کا نام تھا۔ اس اسد کے نسبت یعنی ضمیر نے ذرا پرواہ نہ کی۔ غیروں کی طرح دو دفعہ وقت آیا۔ کھڑے کھڑے خیر صلاح پوچھی اور چلتا ہوا۔ ماں تڑپ رہی ہے اور بلک رہی ہے مگر اسکے کان پر جوں نہیں چلتی۔ حد یہ ہے کہ ماں کا جنازہ کامل پانچ گھنٹے احاطہ میں پڑا سڑا کیا۔ مگر وہ جب تک کنگھی برش۔ کوٹ پتلون۔ کالر ٹائی سے فارغ نہ ہو گیا۔ باہر نہ نکلا۔ اب البتہ بی مغلانی کو آخری وقت معلوم ہوا کہ جس صورت کی دیوانی اور جس لال کی پروانہ تھی وہ بھی میرا نہ نکلا۔ چوتھے روز جب حالت زیادہ خراب ہوئی ہے تو اس نے بیٹے اور بہو دونوں کو بٹھا کر کہا:۔

اب میں دنیا سے رخصت ہوتی ہوں۔ لیکن میں اس خیال سے خوش ہوں کہ گھر اس عورت کے سپرد ہوتا ہے جو اس وقت کنبہ بھر کا مرل ہے۔ میں خوش نصیب تھی کہ خدا نے مجھ کو ایسی بہو دی۔ اچھا بیوی میرے پاس آؤ میرے گلے لگو۔ کہ میں تم کو خدا کے سپرد کروں۔

ضمیر ماں کی یہ گفتگو سنکر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔ مگر ساجدہ کی آنکھ سے آنسو گرنے لگے۔ وہ روتی ہوئی بڑھی ساس کے ہاتھ کو بوسہ دیا تسکین دی۔ ضمیر کو گئے مشکل سے آدھ گھنٹہ ہوا ہوگا کہ ماں دنیا سے رخصت ہوئی۔

(۴)

جیسا ویسا جیسی وہی گھر تھا اور وہی گھر کے لوگ مگر ایک تغیر نے حالات میں آسمان زمین کا فرق کر دیا اور سوا ضمیر کے ایک متنفس ایسا نہ رہا جو صبح آتے ہی سب سے نماز اور تلاوت کلام اللہ نہ کرتا ہو۔ معاذاللہ خدا اسکی اصلاح کو نہ شرماتے ہیں نہ تھی خیر تھی کرتی تھی اور منہ کو تو بھی دیتی تھی۔ مگر اسکی ذات سے صرف خوشامدیوں کو فائدہ تھا

جس نے آکر دو باتیں بنائیں اور جھوٹی سچی خوشامد کی اسی کا کام بن گیا۔ ساجدہ بچپنے میں ساس سے بڑھی ہوئی تھی۔ مگر موقع دیکھ کر اور واقعہ پہچان کر۔ بے نماز عورت سے تو وہ بات تک کرنے نفرت کرتی اور تو اور ضد یہ ہے کہ اگر دو چار دفعہ میاں کی الٹی سیدھی سن لیتی تو ایک آدھ دفعہ اپنا چھوٹا سا وعظ بھی سنا ڈالتی۔ ایک چند ہی مہینہ میں ضمیر کا گھر ساجدہ کی بدولت خاصی چھوٹی سی مسجد بن گیا۔ کہ ہر طرف سے اللہ اور رسولؐ ہی کی آوازیں آتی تھیں میاں بیوی میں سلوک محبت والفت جو جو کچھ ہونا چاہیے۔ سب ہی کچھ تھا۔ مگر خیال کی مخالفت کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ اور گو اس نے کبھی لڑائی کی صورت اختیار نہ کی۔ مگر خفیف سی بدمزگی ایک آدھ دفعہ ہو گئی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ضمیر ہوا خوری کو تیار کھڑا ہے۔ بیوی سے رومال مانگا۔ مگر وہ اللہ کی بندی عصر کے سجدہ میں پڑی ہے۔ مجبور خود ڈھونڈ کر نکالا یا میلا ہی لیکر جانا پڑا۔ ساجدہ کو شرعاً ایسا کرنے کی مجاز نہ تھی۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس نے ہمیشہ اسکو محسوس کیا۔ اور یہ کوشش کی کہ خدا کے فرض کی ادا ئیگی شوہر کی خدمت میں رخنہ نہ ڈالے۔ ضمیر کو بھی اس کا یقین تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ بعض دفعہ ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لیتا۔

دنیا میں کچھ بھی ہوا کرے۔ مگر قدرت کا قانون اندھی اندھا اور چپکے ہی چپکے اپنا فرض ادا کرتا ہے مغلانی کو مرے غالباً ڈیڑھ یا پونے دو سال ہوئے ہوں گے کہ ساجدہ ایک بچی کی ماں بن گئی اور دوسرے ہی سال دوسری بچی کی یہ دونو بچیاں زاہدہ اور شاہدہ اگر دادی کی زندگی میں پیدا ہوتیں تو شاید ساجدہ ایک خاص ... انکی پرورش سے سبکدوش ہو جاتی۔ لیکن اب ماں تھی تو وہ اور دادی تھی تو وہ ضمیر اپنے خیالات میں ہمیشہ مست رہنے والا بھی ... تھا اتفاق کی بات ہے ایک روز وہ مغرب کے وقت ٹینس کھیل کر آیا تو بیوی بڑی بچی کو ادھر ... لئے باہر کھڑی تھی زاہدہ اس وقت خاصی ڈیڑھ برس کی تھی باپ کو اچھی طرح پہچانتی تھی ... طرح جانتی تھی۔ ہمک کر ہاتھ پھیلاتے۔ باپ کا خون بھی جوش میں آیا اور وہ ...

گود میں سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ ڈیڑھ برس کی بچی کی بساط کیا تھی۔ ٹوپی کا پھندنا دیکھکر باغ باغ ہوگئی اور پکڑنے لگی۔ ٹوپی باپ کے سر سے اتر کر بچی کے ہاتھ میں آئی اور زمین میں گر کر مٹی میں بھر گئی۔ غلطی خود ضمیر کی تھی جیسے بچی نے ٹوپی لی تھی نہ لینے دیتا یا لیکر پھر اوڑھ لیتا اسوقت تو خاموش ہوگیا۔ مگر جب نیچے گری اور مٹی میں بھری تو البتہ تیوری پر بل آگیا اور یوں کی یوں ہی مٹی میں سنی کیچڑ میں بھری ٹوپی نے بچی کو اور ٹوپی کو بیوی کے سامنے لاکر پٹخ دیا اور کہا ڈیڑھ برس کی بچی اپنے مطلب کے لئے دنیا بھر کی باتیں گھار نے کو موجود۔ بیا یہ مانگے۔ ممّا یہ طلب کرے۔ شکھا اسے مانگنی آتے۔ پیسہ یہ لینا جانے۔ مگر ٹوپی کو ٹوپی نہ سمجھے۔ لیکن اس معصوم کا کیا قصور۔ جیسا اٹھایا ویسی اٹھی۔ جیسا سدھایا ویسی سدھی۔ بچہ ماکے پیٹ سے کچھ سیکھ کر تھوڑی آتاہے جو کچھ سر پر ڈالدیا پڑ گیا۔ تم جیسی قابل ماکی گود سے جوزمانہ کو پہچانے وقت کو دیکھے۔ جتنے بدتمیز اور پھوہڑ بچے پیدا ہوں۔ بہت درست اور ٹھیک۔ خیر ایک کا ستیاناس تو ہوا تم جانو اور یہ بدنصیب جانے۔ اسکی تقدیر پھوٹنی تھی پھوٹی۔ مگر مہربانی فرماکر چھوٹی کی پرورش میں دخل نہ دینا جس طرح میں چاہوں گا۔ پال پوس کر بڑا کروں گا۔

ضمیر کا اتنا اشارہ ساجدہ جیسی عورت کے لئے کافی بلکہ کافی سے بھی زیادہ تھا اس نے میاں کی بات گرہ میں باندھ لی اور شاہدہ سے دودھ کے سوا کوئی واسطہ نہ رکھا۔ باپ نے ایک نرس اور ایک کھلائی مقرر کردی تھی۔ دن رات ان کے ہی پاس رہتی۔ صبح اپنے سامنے اسکو غسل کروانا کپڑے بدلوانا ناشتہ کروانا۔ دوپہر کو اپنے روبرو اس کو سبق دلوانا۔ پچھلا سننا آگے پڑھوانا۔ شام کو اپنے ساتھ لیجانا سیر دکھانا۔ لکچر سنانا۔ باتیں بتانا۔ آنکھ بند کر کے دن نکل گئے۔ زاہدہ سات برس کی اور شاہدہ چھٹے سال میں تھی۔ کہ ایک روز شام کیوقت ضمیر شاہدہ کو لئے سیر سے واپس آرہا تھا۔ نرس بھی ساتھ تھی۔ برج کے پاس آکر گھوڑا اس بری طرح کہ نہ اپنے سے رکا نہ سائیس سے تھما۔ خدا کو کچھ بہتری کرنی منظور تھی کہ جلدی

سے ضمیر نے بچی کو نرس کی گود میں دیدیا۔ وہ پیچھے بیٹھی تھی جھٹ سے بچی کو لے کو دپڑی
گھوڑا اسیطرح چمک رہا تھا۔ مارا چمکارا ڈانٹا ڈپٹا۔ مگر قابو میں نہ آیا۔ مجبوراً خود ضمیر بھی باگ چھوڑ
کر دور الگ جا کھڑا ہوا۔ ضمیر کے کودتے ہی گھوڑا گاڑی سمیت نالی میں گھوڑے کے بھی
چوٹ آئی۔ گاڑی بھی چورا ہو گئی۔ مگر جان بچی۔ لاکھوں پائے۔ ضمیر کی نگاہ میں اس واقع کو خدا
سے مطلق واسطہ نہ تھا۔ اس نے نرس کو جو عیسائی تھی۔ سلامتی پر بہت بہت مبارکباد دی
بچی کو اٹھا کر پیار کیا۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو کیسکر کے درخت کی جڑ میں ایک اپاہج اپنے زخم
کمبل سے چھپائے پڑا ہوا ہائے ہائے کر رہا ہے۔ تیوری پر بل ڈالکر آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ
اپاہج نے کہا:۔

"بابا تھوڑا سا پانی پلا دے"

ضمیر کو سخت اور شاہدہ کو بہت ہی سخت ناگوار ہوا۔ ابھی باپ کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ شاہدہ
بولی کس قدر بدتہذیب آدمی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپاہج ہے لیکن ہم سے پانی طلب
کرنے کا اسکو کیا حق حاصل ہے ؛

ضمیر۔ ان لوگوں میں بیکار رہتے رہتے یہ عادت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنے کام
بھی دوسروں پر ڈالدیں۔ کم بخت اپنا حق سمجھتے ہیں اسواسطے لندن میں بھیک مانگنے کا حکم
نہیں ہے ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو محنت کرے اور پیٹ پالے۔

شاہدہ۔ انکی اس بے حیائی کے ذمہ دار ہم خود ہیں اگر ان کو جھڑک دیں اور انکو
خود مصیبت اٹھانی پڑے تو یقیناً انکی عادتیں چھوٹ جائیں لیکن ان کا کیا علاج
وہ ابھی کوئی بیوقوف مسلمان ادھر سے نکلیگا تو پانی کیا کھانا تک اسکو کھلا دیگا ؛

اپاہج۔ آپ میرے قریب آئیے میرے زخموں کو دیکھئے اور پھر [illegible]
ادھر [illegible] ہوں یا ہیں اور ایسی حالت میں کہ پیاس سے [illegible]
[illegible] ہوتی ہیں اور کل شام سے پانی [illegible]

تڑپ رہا ہوں۔ میرا یہ سوال کس حد تک ناجائز ہے۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ہل سکوں بخار چڑھا ہوا ہے کروٹ لے نہیں سکتا ہیں نے آپکو مسلمان سمجھ کر پانی مانگا غلطی نہیں کی۔

ضمیر۔ تیرے زخم دیکھ کر اپنی طبیعت بگاڑوں حالانکہ اس کے خیال سے میرا جی متلانے لگا۔ تیری نبض دیکھوں۔ بخار کا پتہ لگاؤں۔ چاہے وہ مرض متعدی ہی کیوں نہ ہو۔ تیرے جسم کو ہاتھ لگاؤں خواہ خود ہی میں بیمار پڑ جاؤں۔

شاہدہ۔ چلئے بابا چلئے اس سے بات مت کیجئے ؛

گاڑی ٹوٹ چکی تھی اور سائیس بھی زخمی ہوا تھا۔ دونوں باپ بیٹیاں اور نرس پاؤں پیدل گھر آئے۔ ساجدہ نے جب یہ واقعہ سنا تو میاں سے یا بیٹی سے تو کچھ نہ کہا۔ وضو کر دو نفل شکرانہ کے پڑھے اور اسیوقت دس بچوں کا کھانا یتیم خانہ میں بھیجا۔ آدمی کھانا لے جا رہا تھا کہ ضمیر نے ... ساجدہ بیٹی سے کہا تم دیکھ رہی ہو تمہاری جاہل ماں کیا تماشے دکھا رہی ہیں ؛

ساجدہ۔ جی ہاں وہ ان تمام باتوں کو خدا کی طرف سے سمجھتی ہیں۔

ضمیر۔ مگر کوئی اس نیک بخت سے پوچھے کہ بیوقوف ان باتوں کا خدا سے واسطہ کیا۔ اگر جان خدا نے بچائی تو گھوڑے کو بھی اسی نے بھڑکایا۔ فرض کر دمیں نہ کودتا اور تم کو نرس لیکر نہ اتر جاتی تو کیا تمہاری ماں کا خدا اسوقت بھی بچا لیتا۔ افسوس یہ ہے۔ کہ جاہل ماں نے بڑی بچی کا بھی اپنے ساتھ ناس کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ بھی خیالات کے اعتبار سے دوسری ماں ہے وہی جہالت وہی لغویت اور وہی حماقت۔

اس واقعہ کو ہوئے تیسرا مہینہ ... ا ہو گا۔ کہ جاڑوں کے موسم میں ایک روز ... وقت ساجدہ کوٹھے پر نماز ظہر دھوپ میں پڑھ رہی تھی۔ اور شاہدہ ساتھ تھی ... نماز پڑھ چکیں تو ساجدہ نے نیچے کے گھروں میں ایک نظر ڈالی ضمیر کی کوٹھی ... پاس ... مکان ... نام سے مشہور تھا جسمیں کچھ غریب اور بدنصیب ... کی زندگی ساجدہ کی ... بیمار پڑی جس کے سرہانے ایک عورت ... آٹھ آٹھ

آنسو رو رہی تھی۔ مریض کا مکان دیوار سے ملا ہوا تھا اور دالان جہاں مریض کا بستر تھا بالکل آنکھ کے سامنے اس میں صرف تین عورتیں تھیں ایک بڑھیا۔ ایک رانڈ دوسری کواری بیٹی ان کے سر پر کوئی مرد نہ تھا اور بسر اوقات کا سلسلہ درزی کی سلائی اور گوٹے کی مزدوری تھی۔ شریف لوگ زمانہ کو جانتے۔ اور وقت کو پہچانتے تھے۔ جو پڑی وہ جھیلی جو آئی وہ اٹھائی جو میسر آیا وہ کھالیا جو ملگیا وہ بھر لیا۔ بڑھیا تھی تو غریب بلکہ فقیر مگر اس آن کی عورت اور شان کی آدمی کہ سوال یا طلبی تو درکنار یہ سنکر اور سمجھکر کہ ساجدہ کے ہاں یہ کچھ خیرات ہو رہی ہے کبھی گھر کی ہوا تک نکلنے نہ دی۔ ساجدہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ بڑھیا جانماز پر تھی اور بیوہ بہن کواری بہن کے پاس خون کے آنسو گرا رہی تھی۔ اسکی مفارقت کا خیال اسکی موت کا یقین اسکی وداع کا احتمال کلیجہ پر برمے لگا رہا تھا۔ سردی سخت تھی اور ہوا تیز۔ شام قریب تھی اور رات سر پر بیمار بچی جس کے بدن پر اب بھی ایک پھٹی سی دلائی کے سوا روئی کا کپڑا نام کو نہ تھا دنیا میں بے ہوش پڑی تھی۔ ماں اٹھی اور دوا کے بدلے اسکا منہ کھولکر دعا دم کی۔ آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہ رہی تھیں۔ دوا کے واسطے کوئی پیسہ پاس نہ تھا۔ رات تینوں دموں پر صاف نکل چکی تھی۔ اور دن بھی اس فاقہ میں ختم کے قریب تھا کہ بیمار نے آنکھ کھولی اور کہا بھوک لگ رہی ہے۔ کلیجہ پھٹ رہا ہے۔ دو چمچے دودھ کے دیدو ماں نے بیٹی کی آواز سنی اور قریب پہنچکر اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا اور روکر کہا بیٹی پیسہ نہیں ہے رات سے اللہ ہی اللہ ہی اللہ ہے۔ بیمار نے کچھ جواب نہ دیا کہ درزی نے آکر کہا لاؤ کرتہ دیدو۔

بڑھیا۔ بھائی ابھی نہیں ہوا۔ بچی بیمار ہے [illegible] بیماری میں دونوں لگے ہوئے ہیں اللہ چاہے کل ضرور لے جانا۔

درزی۔ کل! اور کرتہ والا میسلہ میں کیا پہنکر جائے۔ بچی بیمار ہے تو [illegible] صدقہ سے یہ پیسے جو پہلے دیدیئے وہ مفت کے تھے۔ تم ہو بڑی بے غیرت [illegible] دل کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ لاؤ بس میرا کرتہ یوں کا یوں ہی دیدو اور اب شریف [illegible] پیٹرا نہ لینا۔

بڑھیا۔ بیٹا قصور تو ضرور ہو گیا۔ مگر معاملہ ایسا ہی تھا بچی کے بچنے کی اُمید نہیں ایک پیسہ دوائی ٹھنڈائی کو نہیں آج رات کو جس طرح ہو گا بڑی سے تیار کروا دونگی۔

درزی۔ بس زیادہ باتیں نہ بناؤ آئیں بڑی نمازی پرہیزگار۔ دنیا بھر کی جھوٹی مکار سیدھے ہاتھ سے کرتہ اور دو آنے کے پیسے اودھر رکھ۔

بڑھیا۔ بیٹا پیسہ تو ہے نہیں کرتہ حاضر ہے چاہے چھوڑ و چاہے لیجاؤ۔

درزی۔ میں نے تجھ جیسی سینکڑوں دیکھ لی ہیں۔ پیسے ادھر رکھ دے۔ بڑھیا باتیں کر رہی تھی۔ کہ بڑی بچی نے گھبرا کر آواز دی اے بی اماں۔ ادھر تو آؤ دیکھو تو سہی اسے کیا ہو رہا ہے اسکے تو ہاتھ پاؤں مڑ رہے ہیں۔

بڑھیا۔ ہائے کیا کروں۔ اے بچی خدا کے لئے آنکھ تو کھول۔ ننھی بے پانی تو پی لے۔ اس کے دانت بند ہو گئے۔ پانی کیونکر ڈالوں کچھ بھی تو نہیں سمجھتے۔

درزی۔ تجھے کی بچی میں تیرے باوا کا نوکر ہوں کہ دکان چھوڑ کے تیرے گھر پر کھڑا رہوں لا جلدی سے کرتہ اور پیسے۔

بڑھیا۔ بیٹا اللہ کی قسم پیسے تو نہیں ہیں۔ کرتہ لیجاؤ چاہے تیری بلو دو آنے کے بدلے

درزی۔ دیکھوں ایلٹشتری تو چار پیسہ کی بھی نہیں ہے۔ رنگ میں ڈوبی رنگ میں لتھڑی ہے کس کام کی۔

بڑی لڑکی۔ اچھی اماں خدا کے واسطے آؤ یہ تو منہ کھول رہی ہے۔ پانی تو ٹپکا دو۔

بڑھیا۔ بیٹا میں ابھی دیدونگی۔ تم اب جاؤ۔

درزی کرتہ اور طشتری لیکر ادھر گیا۔ بڑھیا ادھر آئی۔ تو مٹی کے آبخورے سے پانی بچی کے حلق میں ڈالا۔ ساجدہ اوپر کھڑی یہ تمام واقعہ دیکھ رہی تھی۔ اور زاہدہ کو دکھا بھی رہی تھی۔ جب پانی بیمار کے حلق سے زیادہ اُسکے اوپر گرنے لگا اور اس نے کہا۔

"آ میرا کرتہ بھیگ گیا" تو وہ سب جیتی مر گئی۔ بچہ کو لیتے ہی اختری بستر پر بیٹھی ہوا

شاہدہ سے کھیل رہا تھا۔

بیوی۔ میں ذرا اٹھ گھر سے تک جانا چاہتی ہوں۔ ہو آؤں؟

ضمیر۔ کیوں خیریت۔ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہوئی

بیوی۔ نیم والی بڑی بی کے ہا نگی۔

ضمیر۔ وہ فقیرنی ٹکرگدی مغرور ہو کے رہے اور یہاں آکر جھانکے تک نہیں وہاں تمہارا جانا ہرگز تمہاری شان کے ا ۔

بیوی۔ یہ ٹھیک ہے مگر اسوقت مجھکو اجازت دیدو۔

ضمیر۔ ایسی ہی ضرورت ہے تو ۔ مگر اپنی عزت کو خود نہ سنبھالوگی تو یاد رکھو نوکروں تک کی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤ گی کا تو نصیب کھل جائے گا۔ کہ تم وہاں گئیں مگر تمہاری عزت میں فرق آئے گا۔

بیوی۔ تم اجازت د ۔ ہو تو اس بحث کو جانے دو۔

ضمیر۔ اچھا جاؤ چلی جا

بیوی۔ تم ذرا اڑا کہ ۔ ملدہ ہیں بھیجد نیا۔ ڈولی منگوا بچی کو ساتھ بٹھا بڑھیا کے پاس آئی۔ دروازہ میں کھڑ پکر پوچھا میں آجاؤں۔ دونوں ماں بیٹیاں ۔ ٹھیں ۔ ادھر بڑھیا نے کہا اں بیگم آجاؤ۔ ساجدہ اندر بیوی جی تو بیٹھنے کو کوئی جگہ نہ تھ ۔ یا نے لپک کر اپنا برقعہ بچھا دیا۔ اور کہا بیگم اس پر بیٹھ جاؤ۔ ہمارے ہاں کوئی ۔ کے لائق تو ہے نہ ۔ پ نے مجھے وہیں بلوالیا ہوتا میں آجاتی۔ آپ نے کیوں ۔ کی۔

ساجدہ۔ تکلیف ۔ ت ہے یہ چھوٹی بچی کیا بیمار رہتی ہے۔

بڑھیا۔ بیوی کیا ۔ اگلے جمعہ کو صبح کی نماز خاصی اچھی طرح پڑھی سر جھکٹ رہا تھا کہنے لگی نہاؤں میں ۔ ا اچھا اید ھن تھا نہیں۔ ٹھنڈے پانی سے نہائی

نہا کر اٹھی تو پسلی میں درد تھا۔ پھر بخار چڑھا جب سے یوں ہی بے سرت پڑی ہے ؛

ساجدہ۔ آپ نے کچھ دوا وغیرہ پلائی ؟

بڑھیا۔ بیوی روٹی ہی کے لالے پڑے ہیں۔ دوا کہاں سے نصیب ہوتی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر آگیا۔ پردہ ہوا۔ دیکھا نسخہ لکھا۔ دوا آئی اور اپنے سامنے دو دو گھنٹہ بعد ساجدہ نے دو خوراکیں پلائیں۔ چلتے وقت دس روپیہ نقد دیتے اور کہا میں صبح ہی پھر حاضر ہونگی ؛

جس وقت ساجدہ اور زاہدہ ڈولی میں بیٹھنے لگیں تو بڑھیا پاس کھڑی تھی شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر زبان نہ اٹھتی تھی۔ آنسوؤں کا ایک تار تھا جو ساجدہ کی عنایت کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ آخر میں سب سے پہلے چار آدمیوں کا کھانا سیر بھر دودھ اور تین لحاف بڑھیا کو بھیجے۔ دوسرے روز جب ساجدہ گئی ہے تو بیمار کی حالت میں زمین آسمان کا فرق تھا ہفتہ بھر تک برابر دوا جاری رہی اور لڑکی تندرست ہو گئی۔ بڑھیا نے ساجدہ سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر اسکی ماں سے جاکر جو کچھ کہا اس کا اثر اتنا ہوا کہ اس نے فوراً بیٹی کو یہ خط لکھا :۔

ساجدہ بیٹی کو ماں کی طرف سے بہت بہت دعا۔ آج نسیم والی بڑی بی آئی تھیں جس طرح انہوں نے تمہاری تعریفیں میرے سامنے کیں اور جس دل سے دعائیں دی تھیں میں تمہارے سامنے بیان نہیں کر سکتی۔ کیا بتاؤں کس قدر خوشی ہوئی ہے۔ انسانیت کے یہ ہی معنی ہیں اور دولت کی یہی تعریف ہے کہ حاجت [illegible] کے کام آئے۔ اور مف[illegible] کو مدد دے زندگی اسی کا نام ہے اور اسلام اسی کو کہتے ہیں کہ [illegible]سان ہر رنگ میں اور ہر حال میں موت سے غافل اور انقلاب سے [illegible] نہ ہو۔ تم گئیں تمہارا جانا معمولی بات تھی مگر [illegible] تم نے ایک [illegible] فتح کیا۔ ایک مسلمان کے کام آئیں۔ تم نے ایک [illegible] کیا۔ [illegible] نے ہ[illegible] مکان کو

ایک اجڑے ہوئے دل کو تعمیر کیا۔ آباد کیا۔ تم نے نہ سنا ہو اور اگر تم نے نہ دیکھا ہو لیکن تمہارے قدم پر تمہارے ہر سانس پر ایمان کے فرشتے مرحبا کے نعرے لگاتے تھے۔ تم نے ایک قرض تم نے ایک امانت اسکو دی اسکے پاس رکھوادی جو سچا مہاجن اور پورا امین ہے اور جس وقت ہر متنفس نفسی نفسی پکار رہا ہوگا۔ تمہاری یہ خدمت تمہاری یہ امانت تم کو واپس ملیگی تم بڑھیا سے بہت زیادہ حاجتمند ہو گی۔ بیارے بہت بڑھ کر مضطرب ہو گی یہاں تین عورتیں ایک گھر میں تھیں۔ وہاں سب ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا مجھ جیسی ماجو صورت کی عاشق زار ہے۔ منہ پھیر لیگی۔ اور ساجد جیسا باپ جو مرتے مرتے گلے لگا تا رہا آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھے گا۔

پیاری بیٹی تمہاری ہستی کیا تھی۔ اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت سے اپنی عنایت سے تم کو دولت دی۔ بیگم بنایا۔ کیوں اسلئے کہ دولت دیکر دیکھے حکومت دیکر آزمائے جو کر رہی ہو اسمیں فرق نہ آئے اور جو سمجھ رہی ہو اسمیں کمی نہ ہو زندگی کے ساتھ موت صحت کے ساتھ علالت تمول کے ساتھ عسرت لازمی اور یقینی ہے اور کوئی ایسا نہ ہو جائے جسکو بعد میں پچھتا رہی ہوں کہ نماز کمبخت سے ادا ہو گئی۔ خدا کی قسم ساجدہ آنکھوں میں خون اتر آیا میرے دودھ کو یہ آگ لگی۔ کہ مسلمان کی بچی۔ بیٹی کہتی ہوئی۔ نمازی اذان سنے اور پان کھائے۔ یہ عزت ہمیشہ یہ دولت سدا یہ زندگی زیادہ دیر رہنے والی نہیں۔ موت سر پر موجود ہے اور پہونچنا ہے اس گھر میں جہاں عزیز اور غریب اور غیر کوئی بھی کام نہ آئے گا۔ اندھیرا گھپ ہوگا۔ سانپ بچھو گھیر لیں گے۔ کھنکھجورے اس جسم کو جو آج خدا کے سامنے جھکتے ہوئے ہچکچاتا ہے چھلنی کر دیں گے۔ وہاں صرف نماز ایک ایسی چیز ہوگی جو اندھیرے کو اجالا

اور قبر کو روشن کریگی۔ دنیا کے بہت سے مرحلے دیکھ لئے کوارینہ سے دلہن نہیں۔ بیوی سے ما نہیں۔ لڑکی سے گھر والی نہیں لیکن ابھی کچھ اور بننا ہے اور وہ سب سے پیچیدہ اور سب سے نازک مسئلہ ہے۔ اور جو جو وقت آج ہو یا کل آنا ضرور ساجدہ اس وقت کو نہ بھول اور تیار رہ ہر وقت اس امتحان کے واسطے اس جواب کے واسطے اور اس عذاب کے واسطے جو موت کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا ؛

(۵)

ضمیر شاہدہ کی پرورش میں دن رات منہمک تھا اس نے اپنی دانست میں اپنی بساط کے لائق اور اپنی حیثیت کے موافق کوئی کسر نہ چھوڑی کھلانے کے واسطے نرس رکھی پڑھانے کے لئے مس ... میں ... تعلیم اسنے دلائی۔ میموں کی صحبت میں اس نے رکھا مختصر یہ کہ صبح سے شام تک صرف تعلیم کی کوشش اور اصلاح کا خبط تھا۔ مدرسے اس کا واسطہ ہمیشہ ہی برائے نام رہا ہشیار ہوئی تو بس اتنا تعلق ضرور تھا کہ مدرسہ جاتی دفعہ اور آتی دفعہ کھڑے کھڑے دو چار باتیں۔ ورنہ ایک علیحدہ کمرہ جو باپ نے اسکو دیدیا تھا اور تاکید کردی تھی کہ بلا اجازت کوئی نہ جانے پائے۔ رات بھر اسمیں رہنا اور جو جی میں آئے وہ پڑھنا۔ برخلاف اسکے زاہدہ ماں کی دوسری تصویر تھی۔ غرض ایک بیٹی باپ کی اور ایک ماں کی یہ ضمیر کی کھلی ہوئی زیادتی اور علانیہ حق تلفی تھی کہ چھوٹی پر اشرفیاں اٹھاتا اور اُف نہ کرتا۔ اور بڑی کو پھوٹی کوڑی نہ دیتا اور ہر وقت جلنا اسکی عادت اسکی خصلت اسکی با... صورت ہر چیز ظالم کو زہر معلوم ہوتی تھی۔ شاہدہ کیساتھ ساجدہ کا یہ سلوک نہ تھا اسکو دونوں ... میں ایک تھیں وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ جو چاہے کھا سکتی ہے او منگوا سکتی ہے لیکن جب کسی چیز کا حصہ کیا وہی شرعی آدھا اسکو ؛

زاہدہ چودھویں اور شاہدہ تیرھویں برس میں تھی۔ کہ ایک روز شاہدہ کو اپنے کمرہ میں ڈر لگ ... نے کچھ ایسی ہیبت بیٹھی کہ گھگھی بندھ گئی۔ کمرہ اکیلا تھا اتفاق سے جاگ رہی تھی۔

اٹھی گئی دیکھا تو واقعی بچی تھر تھر کانپ رہی ہے ہوشیار کیا تو جاگی۔ مگر ڈر کچھ ایسا بیٹھا تھا کہ بات نہ کر سکتی تھی۔ میاں کو بلوایا تو اس نے کہا کہ سینہ پر ہاتھ پڑ گیا ہوگا۔ دوسری کروٹ سے سلا دو۔

بیوی۔ میں تو رات اس اکیلے کمرہ میں نہ سونے دونگی۔ اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو کیا ہوتا وہاں لیجا کر سلاؤں گی یا آپ یہاں سوئیں گی ⁂

میاں۔ نہ تمہاری یہاں سونے کی ضرورت نہ وہاں اس کے جانے کی حاجت بس تم جاؤ سوؤ ⁂

بیوی۔ اچھا تو بیٹی تو آیت الکرسی پڑھ لے۔ مگر ہاں تجھے آتی ہی کہاں ہے۔

میاں۔ ایسی ہی کرسی کی ضرورت ہے تو میں کرسی لا دوں۔ وہ رکھدو۔

بیوی۔ توبہ توبہ تمہارے ایمان کو کیا ہو گیا۔

ضمیر باہر چلا گیا شاہدہ پڑ کر سوئی۔ ساجدہ آکر لیٹی تو سب سے پہلے اسکو میاں کی اس کرسی کا خیال آیا کہ ان کے ایمان کو کیا ہو گیا۔ آیت الکرسی کا ایسا مضحکہ توبہ کیا کروں کسطرح اصلاح کروں کسطرح خدا یاد نہیں آتا۔ اس کے بعد بیٹی کی گمراہی کا جھگڑا ڈھونڈھا کہ مسلمان کی بچی۔ درود شریف اور کلمے سے واقف نہ ہو اس کا عذاب تو مجھ پر پڑے گا اور سب باتوں کو جانے دو نماز بھی تو نہیں آتی۔ ہائے کیا ہو گیا۔ اور کیا کرونگی۔ ان خیالات میں اسقدر محو ہوئی نہ نیند صاف اڑ گئی ہر چند چاہا کہ کسی طرح سوؤں۔ مگر کسی کروٹ چین نہ پڑتا تھا۔ اٹھی چپکے سے کمرہ میں گئی اسکے سرہانے کھڑی ہوئی آہستہ آہستہ آیت الکرسی پڑھی اور دم کیا۔ باندھ کر چلی آئی۔

دونو بہنوں کی جس طرح تربیت میں بعد المشرقین تھا اسیطرح خیالات میں بھی فرق صرف اتنا تھا۔ کہ چھوٹی نہ صرف بڑی کو جاہل۔ پھوہڑ بے وقوف اور ناکارہ سمجھتی تھی۔ بلکہ اس سے بات کرنی بھی کچھ کسر شان ہی سمجھتی تھی۔ یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ زاہدہ شاہدہ کے کمرہ میں گئی ہو۔ یکدفعہ ہوا کہ کسی ضرورت سے یا محبت سے کوئی بات اس نے بہن سے کی اور جو

اپنے کمرے میں گھس گئی۔ زاہدہ کو ناگوار تو ہوتا۔ مگر اتنا کہ دل میں پل بھر کو بیٹھ جاتے لیکن اس میں کلام نہیں کہ اگر زاہدہ ایک دفعہ بھی ایسا کرتی اور بہن کی بات کا جواب نہ دیتی تو شاہدہ وہ کڑلڑکی اور کینہ ونہچی تھی کہ شاید عمر بھر بہن کی صورت نہ دیکھتی ؂

ایک پیٹ کی دو بچیاں ایک باپ کی دو لڑکیاں ایک ماں کی دو اولادیں۔ ایک گوشت ایک پوست ایک دودھ ایک گو دیگر تربیت کے متفرق اثرات نے دونوں کے خیالات میں اتنا کچھ فرق کر دیا کہ ایک مشرق میں تھی تو ایک مغرب میں۔ زاہدہ موذن کی اذان کے ساتھ اٹھتی باوجود ایک چھوڑ دو دو ماماؤں کے اگر کسی کی آنکھ نہ کھلتی تو اپنے ہاتھ سے پانی گرم کر لیتی۔ گرمی ہوتی تو خود ہی ٹھلیا بھر سب سے پہلے نہاتی۔ اسکے بعد نماز پڑھتی اور کلام اللہ میں مصروف ہو جاتی۔ اس سے فارغ ہو کر وہ خود کمروں میں جھاڑ دیتی۔ یا اپنے سامنے دلواتی اور پھر باورچی خانہ میں جا پہونچتی اور ماما کا ہاتھ بٹاتی۔ شاہدہ صبح آٹھ بجے سو کر اٹھتی اور بچھونوں میں لیٹے لیٹے چائے بسکٹ کھاتی۔ جب ناشتہ ہو جاتا۔ تو اٹھ کر منہ ہاتھ دھوتی۔ کنگھی چوٹی کرتی اور سکول کی کتاب رٹنی شروع کر دیتی۔ دس بجے کے قریب مدرسہ چلی جاتی۔ بارہ مہینہ بیماری کی کچھ ایسی پیچھے لگی تھی۔ کہ کوئی دن بغیر شکایت کے بسر نہ ہوتا۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ بڑی محنت کرتی، مشقت کرتی اور گھر کے کام کاج میں اتنی مصروف رہتی کہ غاصی اچھی کثرت ہو جاتی۔

شاہدہ کی بیماری سے ماں اور باپ دونوں پریشان رہتے تھے ساجدہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ جو افتاد پڑ گئی وہ اچھی نہیں۔ بھلا کوار پنہ کی عمر بے فکری کا زمانہ۔ آزادی کے دن۔ اسوقت میں بیماری سے واسطہ کیا اگر اب بھی بڑی کی طرح چلنے پھرنے لگے تو چار دن میں گھوڑا سی دوڑے لگر یہاں کیوجہ سے یوں نہ کر سکتی تھی ؂

(۶)

اب تک تو ساجدہ کو شاہدہ کی تربیت کا رونا رہا۔ مگر اب خدا نے دو لڑکیوں کے ساتھ ماں کو بھی بنا دیا۔ لڑکے کی پیدائش سے ضمیر کو جس قدر خوشی ہوئی وہ بیان نہیں

ہو سکتی چھ دن اور رات دوستوں کے جلسے جمع رہے۔ ناچ ہوا گانا ہوا۔ ڈنر ہوا۔ پارٹیاں ہوئیں۔
جس روز ساجدہ چھٹی نہائی ہے اس روز بچہ کا عقیقہ تھا اور اس نے تمام رشتہ دار عورتوں کے
ساتھ ضمیر کی چچازاد بہن اپنی نند کو بھی بلایا۔ مہمان جمع ہو گئے تو عقیقہ ہوا۔ اس کے بعد ساجدہ
نے نند سے کہا کہ آؤ بوا اٹھو دھلاؤ۔ اور بچہ کو اپنا کرتہ ٹوپی پہنا کر منہ میں دودھ دو۔ شاہدہ
پاس کھڑی تھی۔ ماں کا یہ فقرہ سنکر مسکرائی اور جب پھوپھی نے اپنا کرتہ ٹوپی پہنا کر یہ رسم
ادا کی تو ٹھٹھے مار کر ہنسنے لگی۔ ساجدہ کو ناگوار تو بہت ہوا۔ مگر اس وقت سب کے سامنے
کچھ نہ بولی جب عقیقہ ختم ہوا۔ اور لوگ چلے گئے۔ ضمیر اندر آیا۔ تو ماں کے سامنے ہی شاہدہ
باپ سے کہا:۔

بابا آپ نے دودھ دھلائی کی رسم نہ دیکھی۔ نہایت پر لطف تھی۔ اماجان کا دودھ
دودھ سے دھویا گیا اور پھوپھی جان کو اسکے بدلے روپیہ دیئے گئے۔ وہ چپکے سے لکا
کرتہ ٹوپی زیادہ سے زیادہ پانچ چھ روپیہ کا ہوگا۔ مگر جو کچھ ان کو ملا وہ اس سے بہ
یہ بھی بہت اچھی تجارت ہے۔ وہ تو کہتی ہونگی کہ روز بیٹے ہوا کریں ؛

ضمیر۔ بیگم تمہاری تو ہر حرکت میں مصلحت ہوتی ہے۔ ہمیں بھی تو بتا
میں کیا منفعت تھی ؛

ساجدہ میاں کے سوال کا کچھ جواب دینے نہ پائی تھی کہ شاہدہ نے کہا
آپ کو بتا دوں۔ دودھ نہائے پوتوں پھلے۔

ضمیر۔ (ہنسکر) ہاں بیٹی ہاں۔ دودھ تو اسی لئے دودھ دھویا
کیونکر ہوا۔

شاہدہ۔ وہ اس کے آگے محذوف ہے۔ دودھ ہی ۔۔۔ بھی ہو جاتا ہے
واہ بی اماجان۔ زمانہ اتنا ترقی کر گیا۔ چاروں طرف سے جہالت کا ۔۔۔ ہے ہیں۔ مگر
شاباش ہے کہ کان پر جوں نہیں چلتی۔ یہ رسوم جنھوں نے ۔۔۔ ردیا۔ افسوس اب تک

ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ جو روپیہ آپ نے ان کو دیا اگر وہ کسی قومی کام میں صرف ہوتا تو کتنا
اچھا ہوتا۔ ساجدہ کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ تھا۔ ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ مگر منہ
سے بالکل خاموش تھی۔ ضمیر بیوی کا یہ حال دیکھ کر اور بھی چھیڑنے لگا۔ اور پھر کہا ہاں بیگم مصلحت
نہ بتاتی ؛

ساجدہ۔ میں خاموش ہوں اور اس گستاخ کے منہ لگنا نہیں چاہتی۔ تم اپنے ساتھ
اسکو بھی شہ دیکر شیر کرتے ہو ؛

شاہدہ۔ نہیں اماں جان یہ بات نہیں ہے میں آپ سے دریافت کرنا چاہتی ہوں
...ہمیں کیا مصلحت ہے میرے کان میں آواز پڑی ہے تو اچھی بات ہے ؛

ساجدہ۔ تمہارا اعتراض لغو۔ تمہارا مضحکہ غلط۔ تمہاری رائے جھوٹی۔ تمہاری عقل
...محض پر ہنس رہی ہو۔ یہ انسانیت کا وہ جوہر ہے جسکی تہ میں چمکتے ہوئے موتی رک
نے دو چار زبانوں سے رسوم کی قباحت سن لی اور رٹ لی۔ لیکن اصلیت کو نہ
...کر عقل دیتیا۔ اعتراض سے پیشتر اور ہنسنے سے پہلے سوچتے اور سمجھتے کہ کیا
...سنو اور سوچو۔ سمجھو اور غور کرو۔ آج چھ روز سے سینکڑوں روپیہ لغویات اور
...رف ہو رہا ہے لیکن ایک پیسہ۔ ایک کوڑی۔ ایک وقت کا کھانا کسی ایسے
...جو واقعی مستحق تھا۔ تمہارے یا تمہارے باپ کے دل میں سینکڑوں ارمان ہزاروں
امنگیں پیدا ہوتیں لیکن کبھی اس زبردست ہستی کی عاقبت کا اندیشہ نہ
پیدا ہوا جو آناً فاناً کھلے ہوئے پھول مہکتے ہوئے پودے اور چمکتے ہوئے ننھے اجاڑ سکتی ہے
شاہوں کے تاج۔ راجوں کے راج اور امرا کے دربار۔ رئیسوں کی سرکار چشم زدن
...حویلیاں میٹ کر دے۔ جو کچھ ہم کو میسر ہوا اسی خدائے برحق کی عنایت اور رحمت
ہے۔ ہمارا فرض تھا۔ اور جب تک زندہ ہیں رہے گا۔ کہ ہر وقت ہر ساعت ہر لحظہ اپنی
دنیر [illegible] حضور میں جھکائیں اور اس نعمت میں سے جو ہم کو دیتا ہے اور دے رہا ہے

اسکی طرف بھی لوٹا دیں تاکہ ہمارے کاموں میں ترقی۔ ہماری مسرتوں میں اضافہ اور ہمارے راحتوں میں برکت ہو۔ ہماری زندگیاں خالی خولی نہیں۔ ہر طرف سے فرائض میں اور حقوق میں لپٹی ہوتی ہیں۔ ہمارا کام کھانا پہننا ہنسنا اور بولنا ہی نہیں فرائض کی ادائگی اور حقوق کی نگہداشت بھی ہے۔ ہم پر بہت سے حق ہیں۔ عزیزوں کے۔ پڑوسیوں کے نوکروں چاکروں کے۔ غریب غربا کے۔ ہمارے وہ عزیز بھی ہیں۔ جو عزت میں۔ شرافت میں ہم سے کم نہیں دولت میں اور ثروت میں ہمارے محتاج اور دست نگر ہیں۔ کیا ہم کو وہ کھانا حلال ہے کہ جس میں قورمے اور بریانیاں ہمارے دسترخوان پر ہوں لیکن ہمارے عزیز فاقوں سے بھوکے سو رہیں۔ کیا ہم کو وہ کپڑا جائز ہے جو دیبا و حریر کیصورت میں ہمارے جسم پر ہو لیکن ہمارے پیارے پیوند لگائیں اور ننگے پھریں ؂

تم کو رسموں پر اعتراض ہے۔ درست ہے لیکن تم کس منہ سے برا کہتی ہو تم تو اس سے بھی بدتر کام کر رہی ہو۔ رسوم کی قباحت اسلئے ہے۔ کہ روپیہ برباد نہ ہو۔ مگر تمہیں دن رات گلچھروں میں اڑا رہی ہو۔ کون طائفے تھے۔ کونسے بھانڈ تھے، جو اس تقریب میں آئے کیا انہیں سے کچھ روپیہ خدا کی راہ پر نہ اٹھ سکتا تھا۔

رسوم بے شک قابل اصلاح ہیں۔ مگر ان کنکروں میں جواہر ریزے ان گدڑیوں میں لال اور اس سیاہی میں سفیدی بھی ہے۔ تم کو معلوم ہے ہماری کتاب مقدس میں ہم کو کیا حکم ہے۔ ذوی القربیٰ سب سے پہلے ہم پر ہمارے عزیزوں کے حقوق ہیں۔ اور ہماری حالت یقیناً خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس قابل ہے کہ ہم اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کریں۔ اور ان کی ضرورتوں پر کام آئیں۔ تمہارے ابا مسلمان کھڑے ہیں یا ان سے پوچھ لو میں نے کے دفعہ ان کو اس طرف متوجہ کیا۔ مگر انہوں نے پرواہ نہ کی لیکن میرا ایمان ہے کہ جس طرح نجاست کا ایک قطرہ پانی کے بھرے ہوئے گھ[illegible] کو ناپاک کر دیتا ہے عطر کی ایک بوند غلیظ کمرہ کو بھی مہکا دیتی ہے۔ اس تم[illegible] بیہ میں جو

جول کرلے تو وہی ایک رسم جو میں نے تمہاری پھوپھی کو دی۔ اس قابل ہے کہ تمام صرف کے نقایص کو دور کر دے یہ رسم جس کا تم نے مضحکہ اڑایا۔ ہنسنے کے قابل نہیں ہے وہ کس شوق سے اور محنت سے کرتہ ٹوپی لائیں میرے پاس اس سے بہت زیادہ قیمتی کپڑے موجود ہیں لیکن میرا کام یہ تھا کہ ان کا دل نہ توڑتی۔ اسی لئے میں نے بچہ کو اپنے کپڑے نہ پہنائے اور ان کا دل بڑھا دیا ٭

کیا تم کو اس سے انکار ہے کہ دودھ کی مالش سے زچہ کا دودھ بڑھتا ہے۔ طب کی کتابیں دیکھو۔ اپنی لیڈی ڈاکٹر سے پوچھو میں پڑھ چکی ہوں اور پوچھ بھی۔ اس فعل کو۔ جو طب کے اعتبار سے نہایت مفید ہے۔ اگر اس صورت میں ڈھال دیا تو کیا خرابی کی تمکو معلوم ہو یا نہ ہو۔ مگر مجھے خبر ہے کہ سلیمہ جس کے نیگ پر تم کو اعتراض ہے۔ نہایت بدنصیب عورت ہے۔ بیوہ ہے دو بچے ہیں اور ایک بڑھیا ماں اس کا حق یقیناً تمہارے پیسے کی کمائی میں ہے اور میں نے جو کچھ اسکو دیا ہرگز ہرگز اس پر احسان نہیں۔ بلکہ تم پر اور تمہارے باپ پر ہے کہ میں نے ان کو مواخذہ عاقبت سے بچوا دیا ٭

(۷)

کہنے کو اور کہنے کو کیا حقیقتاً دونوں بچیوں کے نکاح کا مختار باپ تھا اور گو وہ ایک کا عاشق زار ایک سے قطعاً بیزار شروع ہی سے تھا پھر بھی امید یہ تھی اور ایک دو کو نہیں سب کو کہ شادی کے معاملہ میں وہ جو کچھ کرے گا دیکھ بھال کر اور سمجھ بوجھ کر۔ لاکھ ناخوش اور علیحدہ سہی۔ مگر اپنی اولاد تھی۔ اور بدنصیب باپ کے گھر میں چند روز کی مہمان۔ مناسب تھا۔ ضروری تھا۔ دستور دنیا کے موافق حکم خدا کے موافق۔ کہ کمبخت زیادہ نہیں اتنا اور بہت نہیں قدر سمجھ لیتا۔ کہ کوارینہ ہمیشہ رہنے والا اور زاہدہ سدا اٹھہرنے والی نہیں یہ سادن سارت کا چھینٹا۔ صبح کی چاندنی اور ریت کی چمک ہے۔ وقت آرہا ہے کہ ماں گھر نہیں تو میرے گھر کا کونہ کونہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی صورت کو ...

نظر نہ آتے گی۔ میں کہاں اور یہ کہاں۔ یہ بھی وقت کی بات اور محض اتفاق ہے کہ میرے غصہ کی نظریں اور تیوری کے بل دیکھ رہی ہے اور سہہ رہی ہے۔ مگر سمجھنا تو اس وقت کہ دماغ صحیح اور عقل درست ہو۔ خیر اس کا بھی مضایقہ نہیں اس دنیا اور اس جہان میں عقل مند بھی جیتے ہیں۔ بیوقوف بھی ہشیار بھی رہتے ہیں مرلی بھی۔ مگر اس کم بخت کا تو غضب یہ تھا کہ بیوقوف نالایق اور بیہودہ ہو کر ہمیشہ ہر حال میں اور ہر وقت جب سمجھا اپنے تئیں عقلمند لایق اور معقول اسکو شاہدہ کی محبت تھی۔ ضرور اور معمولی نہیں۔ بہت زیادہ۔ مگر اسمیں بھی صداقت نہ تھی وہ صرف اس توقع پر اس کا فریفتہ تھا کہ یہ میری مرضی کے موافق اور خواہش کے بموجب علم کی دیوی تہذیب کا مخزن اور شہرت کا معدن ہو گی۔ بہر حال کیفیت یہ تھی۔ کہ ایک آنکھ میں مہر بھر ایک آنکھ میں خدا کا قہر۔ شاہدہ علی الاعلان کھلے خزانے جو چاہتی وہ کرتی۔ جو جی میں آتا کہتی۔ مگر وہ اُف نہ کرتا۔ گھر کا منڈوہ رئیس البیت جب وہی بھلی اور بُری سب دیکھتا اور جائز سمجھتا تو ناجائز سمجھنے کا حق کسکو اور ٹوکنے والا کون پردے کی پرواہ اسے نہ تھی بزرگوں کا ادب اسے نہ تھا اور پھر لطف یہ کہ ماں سے لیکر بہن تک اور بڑے سے لیکر چھوٹے تک سارے گھر کو جاہل اور دقیانوسی سمجھتی تعلیم و تربیت صحبت اکٹھی تین چیزیں تھیں جنہوں نے شاہدہ کو مغربی سانچے میں ڈھالا ان پر طرہ باپ کی داد تھی۔ کہ ہر قول کو اور ہر فعل کو سر پر رکھتا اور آنکھوں سے لگاتا۔ ماں کے منہ در منہ اور بہن کے سامنے ڈنکے کی چوٹ دونوں کو جاہل بناتی اور بیوقوف کہتی۔ ماں غریب کے فرشتوں نے بھی اس ڈھنگ کی لڑکی دیکھی نہ سنی جلتی بھبلتی انگاروں پر لوٹتی اور آگ میں بھنتی بگر جاتی تھی کہ سمجھانا بجھانا تو درکنار۔ آدھی بات بھی زبان سے نکالو گی تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ ایک کہوں نہ چار سنوں ہم اس عالم میں قطعاً ساجدہ کو ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے دور دیکھتے ہیں۔ آخر زاہدہ بھی تو اسی کی بچی تھی۔ اسی گود سے اٹھی اسی دودھ سے پلی مگر دونوں میں آسمان زمین کا فرق اور مشرق مغرب کا بعد تھا۔ تمام ذمہ داری ابتداء تا انتہا اسی بدنصیب باپ پر ہے جس نے غیروں کی طرح آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی۔ ایسا کافول ہیں

نکل پڑا لاکہ بانی بھر پروا نہ کی۔ جوان تو سب قریب دونوں ہی ہو چکی تھیں۔ اب دونوں کا کوا پتہ
اسکے واسطے پوری مصیبت تھی۔ وہ الگ شاہدہ سے سب بے تعلق تھی۔ مگر مامتا کا کیا علاج کرتی۔ کہ
صرف اس خیال سے کہ عمر بیاڑ ڈھل رہی ہیں اور بیٹیں بیٹھی اسکا کھانا پینا سب حرام کر دیا
رات اسی فکر میں ختم اور صبح اسی ادھیڑ بن میں پورا ہو جاتا۔ دو چار دفعہ میاں کو بھی متوجہ کیا۔ مگر
وہ بیچارے اسلئے کہ بیوی سے سچ بہت خفا ہو کر ایک ہی اور معقول بات کہہ کر اسکو تسکین دینا
چاہتے۔ بولا اللہ اور جو جواب دیا از بیٹھا۔ ایک آدھ دفعہ تو خیر ہنسکر چپ ہو گیا۔ مگر جب یہ دیکھا کہ
بیوی تو جان ہی کو آگئی تو صاف صاف یہ ٹوٹا جواب دیدیا کہ تم شاہدہ سے بے فکر رہو۔ اپنی
بچی کا انتظام کر دو اس کا بھی ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے روپیہ کی کمی نہ تھی۔ عزت بھی تھی اثر
بھی تھا۔ ایک خرابی بی مخلانی کی تھی۔ تو روپیہ کے آگے ہڈی کو کون پوچھتا ہے۔ دولت نے
اچھی طرح چھپا دیا بات نہ آنے پایا شادی نہ ہونے کی وجہ اور تھی اور معقول تھی۔ بی شاہدہ
کے گن چھپے ڈھکے اور میاں کے کرتوت ایسے دبے نہ تھے۔ ایک دنیا میں شہرت ہو چکی اور
جہان بھر میں ڈنکا بج چکا تھا۔ ہمارے اگلے زمانہ کے سیدھے سادے تو اسلئے نام آتے ہی
کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے کہ زمانہ نے اچھی طرح بتا دیا تھا اور وقت نے پوری طرح سمجھا
دیا تھا کہ یہ نئے جدید کی متوالیاں تعلیم نمبر میں اتنی شرابور اور ایسی چکنا چور ہیں کہ میاں
کو لنگوٹی بندھوا کر بھی بس کرنے والی تھیں۔ بارہ مہینے کی روگی چھتیس دن کی بیمار۔ کام کی نہ
نہیں کاج کی۔ یہ نہیں لہٰذا اس رنگ کے شیدا اُن کی خواہشیں بڑھی ہوئیں تمنائیں پھیلی
ہوئی حسن کے متلاشی دولت کے جویا تعلیم کے خواہاں سلیقہ کے آرزومند ان کو کیا غرض پڑی تھی
کہ مصیبت تک پیرا استقبال کر لیں۔ اور دس پانچ کو ذلیل۔ دو چار کو حقیر بلکہ آدھ کو جاہل بتا دیں
شادی پر آمادہ ہو جاتیں۔ بی شاہدہ کا نام شہر بھر میں پوری طرح روشن اور اچھی طرح اچھل
چکا تھا اور ہم تک ایسے ایسے بڈھے ٹھڈے موجود تھے۔ جو اتنی سی بات پر نفرت واپس
کر دیں کہ بھائی ہم کٹ بکھون کی عزت کے قابل نہیں۔ اب انکی کھپت ہو سکتی تھی تو لنے ہی گی

میں اور سچ بھی یہ ہے کہ دوسری جگہ ہوتی نہ بنتی۔ مگر چاہئے تو یہ سمجھو کہ ایک مچھلی نے سارا جل گندہ کیا چاہیے یہ کہ چنے کے ساتھ گھن بھی پسا۔ شاہدہ کے ساتھ زاہدہ پر بھی مصیبت آئی کہ اس کا پیغام بھی ختم ہوگیا۔ میاں کا جواب سن اور زمانہ کی کیفیت دیکھ چاہئے کہ ماں خاموش ہو جاتی۔ یا ان فکروں سے چھٹکارا پاتی تو یہ جوں جوں دن بڑھتے جاتے تھے اس کا وہم ترقی کر گیا تھا۔ حصن حصین کا ختم یا تسبیح کا چلہ دونوں پورے کر لیے۔ مگر بات بڑی کی آئی نہ چھوٹی کی۔ ماں بدنصیب کو ایک آدھ دفعہ نہیں دو چار دفعہ اور فقط اپنوں ہی سے نہیں غیروں تک سے منہ پھوڑ کر کہنا پڑا کہ بچیوں کا خیال رکھنا۔ مگر کچھ ایسا شاہدہ کا نام نکل گیا تھا کہ کوئی حامی بھی نہ بھرتا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ رحیما شاہدہ کی نوکر نوکر گیا اسکے کاموں کی داروغہ اور حساب کتاب کی مختار سالن گرم کرنے آگ کی بھری انگیٹھی لے آ رہی تھی گرمی کا موسم تھا چوکھٹ پر چڑھتی تھی کہ پاؤں رپٹا اور دھڑم سے گری۔ سفید چادر لال خالی بچے اوپر سے بھرتے ہوتے۔ کہنیوں تک دونوں ہاتھ منہ ٹھوڑی گلے سب کی چربی نکل آئی رحیما بڑھیا تو نہ تھی۔ مگر پچاس کا پیٹا ضرور تھا۔ خاصی شریف خاندان کی عورت اور ایک اوسط درجہ کے شوہر کی بیوی تھی۔ مگر پے در پے موتیں اور متواتر مصیبتیں کچھ ایسی آ کر پڑیں کہ پلنگ پر دری تک نہ رہی ایک کڑیل بیٹا مرا ایک جوان بیٹی گئی۔ ہاں زندہ تھی وہ چھوٹی بہن بھائی موجود تھا وہ دیوانہ ہو گیا ایک لڑکی اسکی تھی۔ پھر بھی جب تک ہاتھ پاؤں چلتے رہے محنت مزدوری کرتی رہی بھائی کو کلیجے سے لگایا اور سلائی پیاتی پر گذر گیا۔ مگر تقدیر نے یہ دوسری مصیبت ڈالی کہ پانی اتر آیا۔ شفاخانہ گئی۔ آنکھیں بنوائیں ہو تو گئیں ٹھیک۔ مگر اس قابل نہ رہیں کہ ٹانکہ بھر لیتی باہر نکلی۔ نوکری ڈھونڈی۔ چار ساڑھے چار برس سے یہاں کام کر رہی تھی کل کا دن یا اسکی کی رات تو ایک گزرا نہ گذری۔ ہر وقت کل کل اور پیٹ پیٹ تھی۔ الگ ہی بات بات میں چوہر بے ایمان ہر کام میں۔ مگر پیٹ بری بلا ہے اٹھاتی جو پڑتی اور بھگتتی جو آتی۔ شاہدہ کے دربار میں اتنا بڑا واقعہ اتنا سنگین جرم اتنا عظیم قصور مصیبت تھی آفت تھی۔ قیامت تھی۔

بڑھیا جو ایک آدھ دفعہ پٹ بھی چکی تھی آج موت کا یقین کر بیٹھی۔ آگ تو خیر دوسری ماماؤں نے آکر بجھائی مگر شاہدہ کو صبر کہاں اٹھی جو منہ میں آیا کہا اور سنایا مگر یہ کافی نہ تھا۔ ایک لات ایسی ماری کہ پھر انگیٹھی پر جاکر گری اور جھلسے ہوئے چہرے سے خون نکلنے لگا اسوقت تو بات گئی گذری ہوئی۔ مگر رات کو اپنے گھر پہونچی تو ملنا دوبھر تھا بی شاہدہ کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ کھانا دیوانے بھائی کو یہاں کھلاتی ہے۔ تو یہ اہتمام کیا تھا کہ یہیں سے کھا پی خالی ہاتھ جائے۔ یہاں سے جاکر دیوانے بھائی کا کھانا پکاتی۔ آج گئی تو بدن چور تھا اور آگ میں جل رہی تھی۔ مگر اسی حال میں گرتی پڑتی اٹھی آٹا گوندھا۔ روٹی پکائی کھلا چکی تو لیٹی مگر نیند کہاں ساری رات یہ معلوم ہوا کہ انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔ صبح حکیم کے ہاں گئی نسخہ لکھوایا۔ پیسہ پاس نہ تھا تین مہینہ کی تنخواہ شاہدہ پر چڑھی ہوئی تھی۔ سوچا اور کیا غلط سوچا کہ تنخواہ لے آؤں اور علاج شروع کروں۔ مری تو ہوں اگر خدا کو منظور ہے تو خیر ورنہ جو اسکی مرضی۔ یہاں آئی تو بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ بڑی مشکل سے ڈولی میں بیٹھ ہائے ہائے کرتی آئی۔ کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی۔ کہ شاہدہ صورت دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئی۔ اور چبوترے سے نیچے اتر کر کہنے لگی :-

یہ فیلسوفی کس بات کی ہے تو کس کے حکم سے آج غیر حاضر ہوئی ؟

رحیما۔ آپ میری حالت دیکھیے میں کام کے قابل ہوں۔

شاہدہ۔ حالت میں کیا ہے۔ اگر کام کے قابل تو نہیں ہے۔ تو اپنا عوض دیا ہوتا۔

رحیما۔ میں بیگم کس کو لاؤں۔

شاہدہ۔ آہستہ بات کر گستاخ بدتمیز۔

رحیما۔ میری تنخواہ دیدیجیے تو دوا کی ٹھنڈ لائی کروں۔

شاہدہ۔ تنخواہ ضرور ضرور یاد رکھو۔ ہرگز تنخواہ نہیں مل سکتی کام کرو اسکے بعد تنخواہ مانگو۔

رحیماً۔ بیگم میں تو مر رہی ہوں کام کیا خاک کرونگی۔
شاہدہ۔ پھر گستاخی کا بات۔ آنو کا موافق بات مت کرو۔ نکل جاؤ۔
رحیماً۔ بیگم میری تنخواہ دے دو میں چلی جاؤں۔
شاہدہ۔ بگومت پہلے عوض حاضر کرو۔ اس کے بعد تنخواہ کا درخواست کرو جتنا نقصان ہوا وہ سب کاٹا جائے گا +
رحیماً۔ آپ ایک کوڑی نہ دیجئے۔ میں عوض کہاں سے لاؤں +
شاہدہ۔ تمہارا بھتیجی موجود ہے۔ اسکو بھیجو وہ کام کرے گا۔ تم ہرگز نہیں جانیکا۔ جب تک وہ نہ آئے +
رحیماً۔ بیوی میں تو بڑھیا تھی۔ برقع سر پر ڈال لیا۔ اسے پرائی بچی کو کیسے باہر نکالدوں مجھ پر تو پڑی تھی نوکری کر لی۔ اسکو کیا غرض جو وہ نکلے۔
شاہدہ۔ وہ نہیں نکلے کیوں نہیں۔
رحیماً۔ بیوی عزت بھی آخر کوئی چیز ہے یا نہیں آخر ہیں تو اسے بچنا ہے کیسے باہر نکالدیں +
شاہدہ۔ تم عزت دار ہے الو اچھا تم کو عزت دیگا۔ تم مت لاؤ اسکو +
رحیماً۔ بیوی ذرا تو زبان سنبھال کر بولو۔ میری جان نکل رہی ہے آپ تنخواہ دیتی ہیں دیں نہیں تو میں چلی جاتی ہوں +
شاہدہ۔ چپ رہو الو تم نہیں جا سکتا ہم ابھی تمہارا علاج کرتا ہے +
رحیماً بدنصیب کو تنخواہ کا ملنا تو درکنار خالی جانا بھی امرت ہو گیا۔ ارادہ کیا تو شاہدہ نے زبردستی پکڑ کر بٹھالیا اور حکم دیا کہ بلا اجازت یہاں سے سرکی تو سخت سزا ملیگی۔ ادھر اسکو بٹھایا ادھر آدمی بھیج بھتیجی کو بلا بھیجا کہ رحیماً بلا رہی ہے۔ منیرا آئی تو اسکی صورت دیکھتے ہی رحیماً بیتاب ہو گئی اور کہنے لگی تو کیوں آئی +

منیراً۔ تم ہی نے تو بلایا ہے آ رہی گیا تھا۔

رحیماً۔ بڑی بیگم آپ ہی اللہ فیصلہ کیجئے۔ بھلا کسی کی کواری بچی کو اس طرح بلا لینا اچھی بات ہے ہم غریب سہی۔ نقیر سہی۔ مگر اپنی عزت تو رکھتے ہیں۔ ٹھیک بجا ہے ذات تھوڑی بچی ہے۔ دیکھئے تو سہی منیراؔ کو بلا لیا ؛

شاہدہ۔ گدھے کی بچی۔ عزت دار کی جورو چپ رہو۔ ہم تنخواہ دیں گے مفت کام نہیں لینگے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم مرتا ہے تو اپنا عیوض دو۔ تمہاری سوت ہم کو تکلیف نہیں دے سکتی ؛

یہاں تک بھی مضائقہ نہ تھا۔ اس کے بعد شاہدہ کا غصہ اور تیز ہوا اس نے فوراً رحیماً کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ بخار میں پل ہلا رہی تھی چوٹ میں مر رہی تھی۔ مگر اپنی بیماری اور سوت دونوں بھول گئی۔ چلنے لگی تو بھتیجی کا ہاتھ پکڑا۔ مگر پیچھے سے ایک اس زور کا دو ہتڑ پڑا کہ آنکھیں کھل گئیں ؛

گدھے کی بچی یہ نہیں جا سکتی۔ جب تک دوسرے آدمی کا انتظام نہ ہو جائے۔

رحیماً۔ بیگم ذرا انصاف تو کیجئے میں کس طرح سیانی بچی کو آنکھ سے اوجھل کر دوں۔

شاہدہ۔ نہیں نکل جاؤ۔ ابھی نکلو ہم دوسرے آدمی کا انتظام کرتے ہیں جس وقت آگیا اسی وقت اسکو نکال باہر کریں گے۔ چلو باہر جاؤ۔ نکلو نکلو ابھی چلو چلو فوراً غارت ہو بڑھو آگے بڑھو ؛

رحیماً روتی ہوئی باہر نکلی اس خیال سے کہ شاید باپ کچھ تصفیہ کرے۔ اس کے پاس مردانہ میں پہونچی۔ گر وہ بھلا مانس بھی تو شاہدہ ہی کا باپ تھا۔ ساری کتھا سن چکا۔ تو کہنے لگا مس صاحب کے انتظام میں ہم کو دخل کی ضرورت نہیں۔

مایوس ہو کر پھر گھر میں آئی تو شاہدہ نے دوسری عورت کو بلا کر کہدیا تھا کہ منیراؔ کو اپنے ساتھ لیجاؤ اور جب تک ہم حکم دیں اپنے پاس رکھو۔ حکم کی تعمیل میں کیا دیر ہو سکتی تھی۔

منیرؔ حمیدہ کے ساتھ رُدتی ہوئی جا چکی تھی۔ چاروں طرف دیکھا ہر ایک سے پوچھا کہتی پھری سنتی پھری رُدتی پھری گڑگڑاتی پھری مگر کس کی ہستی تھی کہ شاہدہ کے معاملہ میں دم سکتا یہ گرمی کا پہاڑ ساون بیمار بخار نہ وہ کیسی دوائی اور کس کی ٹھنڈائی پانی کے دو گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتے۔ زاہدہ اور ماوہ نوظالم کے ظلم دیکھ بھی رہے تھے اور رحیماؔ کی بے گناہی پر کلیجہ بھی کٹ رہا تھا۔ مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ شاہدہ سے تو کیا رحیماؔ سے بھی بات کر لیتے۔ شام کے وقت زاہدہ اور ماعصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو شاہدہ نہا دھو کر کلب کے واسطے کپڑے بدل باہر آئی ہاتھ میں ٹینس کا بلا تھا۔ رحیماؔ کو حکم دیکر کہا۔

تم مکار لوگ اتنا نہیں خیال کرتے کہ کسی کو تکلیف دینے کا تم کو حق کیا ہے تو بیمار ہے تو اچھا بات ہے استنے روز منیرؔ کو کام کرنا چاہئے۔ اگر اس سے پہلے ہم کو آدمی ملگیا تو ہم اسکو چھوڑ دیگا۔

رحیماؔ۔ بھلا بیوی ذرا انصاف سے بات کرو جوان بچی کیسے لیسے چھوڑ دوں۔ خدا کے واسطے بتاؤ تو سہی وہ ہے کہاں۔

شاہدہ چلی گئی تو رحیماؔ نے حسرت سے اسکی ماکیطرف دیکھا جب وہ بھی خاموش رہی تو باہر آئی۔ مغرب کی اذان ہو رہی تھی کہ شاہدہ واپس آئی اور حکم دیا۔ اس بڑھیا کو ابھی نکال دو۔

نکلی۔ چلی۔ گھر پہنچی بخار تیز تھا جسم بھنا جا رہا تھا لیٹی مگر نہ لیٹا گیا۔ اٹھی کھڑی ہوئی کلیجہ میں پھر ہوک اٹھی اور اسطرح تڑپتی تڑپاتی گئی۔ شاہدہ آرام کرسی پر لیٹی تھی کہ رحیماؔ نے گڑگڑا کر کہا۔

بیگم غصہ کو تھوک دو اور ایک بدنصیب عورت پر خدا کا واسطہ رحم کرو ہم غریب ہیں مسکین ہیں فقیر ہیں کچھ شک نہیں ہم بیکس ہیں یقیناً ہیں۔ مگر ہم اپنی نگاہ میں کچھ تھوڑی سی عزت باپ دادا کی رکھتے ہیں۔ ہمارا گوارہ پتہ اس خوشبو کی طرح جو پھول میں۔ اس موتی

کیطرح جو سدف میں ایس ہو اسکی طرح جو دنیا میں محفوظ ہو۔ ماباپوں کے ہاں ہماری عزت
کی ہماری آبرو کی ہماری لاج کی جڑ ہے۔ ہماری فقیری ہماری غربت ہمارے سر آنکھوں پر
افلاس ہمارے کلیجے کی ٹھنڈک فقر تنگی ترشی آفت مصیبت ہر دکھ اور ہر تکلیف ہم کو مسرت اور
راحت ہم غریبی میں خوش مفلسی میں راضی تکلیف میں صابر مصیبت میں شاکر لیکن چھوٹی
بیگم۔ اگر ہماری موتی سی آبرو پر ہماری صاف ستھری عزت پر حرف آگیا یا دھبہ لگ گیا۔
تو ہمارا جینا فضول اور ہمارا رہنا بیکار یہ منہ دکھانے کے اور یہ صورت ہنسنے کے قابل نہ
رہے گی میری حالت خراب ہے میں موت کے قریب ہوں۔ مجھ سے ہلا نہیں جاتا۔
مجھ سے بات نہیں کی جاتی۔ مگر دل کی لگی کو۔ کلیجہ کی جلتی کو تمہارے سامنے بیوی تمہارے
روبرو چھوٹی بیگم تمہارے دربار میں تمہارے حضور میں۔ تمہاری سرکار میں سنانے آئی
ہوں۔ میری التجا پر کرم میری تمنا پر رحم میری درخواست قبول میری عاجزی منظور میں مکار نہیں
چھوٹ نہیں حقیقت اور دھوکا نہیں اصلیت ہے مجھے زندگی وبال اور جان اجیرن ہے میرا
بدن جلن رہا ہے میرا کلیجہ پھک رہا ہے میں چوبیس گھنٹے کی بھوکی پیاسی دیکھو چھوٹی بیگم
ادھر دیکھو ہاتھ جوڑ کر بلائیں لیکر قربان ہو کر عرض کرتی ہوں مجھے تنخواہ نہیں چاہئے میں روپیہ
نہیں مانگتی میں تو صرف اپنی بچی کی خواستگار ہوں۔ بیوی میرا کلیجہ نکلا خدارا رحم کی نظر
اے بیگم رات زیادہ آئی۔ میری بچی کہاں ہے میں نے اسکو چودہ سال اپنی آنکھوں میں رکھا
رات کو لیکر سوتی اور دن کو قفل میں بٹھا کر آتی یہ پہلا موقع پہلا اتفاق اور پہلا روز ہے۔
کہ رات کے وقت میری بچی آپ نے مجھ سے جدا کر دی۔ بیوی ہشیار بچی ہے جوانی ہے
دن خراب وقت نازک اور دنیا خبیث ہے۔ للہ ہماری عزت برباد نہ کیجئے۔ پتہ بتا دیجئے۔
کہاں ہے میں جاؤں گی اور لے آؤں گی ؞

شاہدہ۔ میں ماما کی طرح سیدھی اور زاہدہ کی طرح بیوقوف نہیں ہوں کہ اس
الفاظ میں آجاؤں میں نے جو بات کہنی تھی وہ کہہ دی ؞

رحیماً۔ بس تو بیوی میں نہانے میں جاتی ہوں +

اتنا سنتے ہی شاہدہ آپے سے باہر ہو گئی۔ بلا اٹھا کر تڑا تڑ ایسے مارے کہ بڑھیا بک گئی اور اسوقت تک ہاتھ نہ روکا جب تک گھر سے باہر نہ نکل گئی +

شاہدہ نے اتنی ہوشیاری اور کی تھی کہ چلتے وقت منیرؔ کے ہاتھ میں ایک سونے کا چھلا ڈال دیا تھا۔ بچی تیرہ برس کی جان کبھی بھولے سے بھی رات کو پھوپھی سے جدا ہوتی ذرا چراغ جل جاتے تھے تو غریب کو ایک ایک لمحہ ایک ایک سال ہو جاتا تھا اب جو اس دھتکے میں پڑ حمیدہ کے ہاں پہونچی تو اس کا لڑکا شرابی کبابی جواری ڈھنڈاری نشہ میں بدمست نالایقی میں مست منیرؔ کو دیکھ لگا بہکی بہکی باتیں کرنے بیچاری کو سناٹا آگیا۔ کچھ دیر تو چپکی بیٹھی رہی اور پھر سیدھی اٹھ دروازہ کھول گھر سے باہر آ جدھر منہ اٹھا ہو لی۔ رات کا وقت عورت ذات مدرسہ سے ناواقف محلہ سے بے خبر چاروں طرف ڈھونڈھتی پھری۔ خاک پتہ نہ چلا۔ کہیں آدھی رات کے قریب پوچھتی پاچھتی گھر پہونچی تو پھوپھی بدنصیب دروازہ کھولے بیہوش پڑی تھی آکر ہشیار کیا بڑی مشکل سے آنکھ کھلی تو گھبرا کر اٹھی۔ بھتیجی کو کلیجہ سے لگایا اور اتنا روئی کہ پھر غش آگیا۔

رحیماً کی حالت لمحہ بہ لمحہ ردی ہو رہی تھی اندرونی اعضا محفوظ تھے مگر بیرونی نے جان پر بنا دی تھی بڑی مشکل سے کہیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ہوش آیا تو پانی مانگا اور کہا خدا کے واسطے منیرؔ میرے منہ اور ہاتھ میں لکڑیاں جل رہی ہیں ان پر ڈالدے بلا سے ذرا تو ٹھنڈک پڑے منیرؔ نے پانی ڈالا تو ذرا جان میں جان آئی۔ صبح ہو چکی تھی دیوانہ ایک دن اور ایک رات کا بھوکا اور بتول بک رہا تھا کہ دروازہ پر دو سپاہی اور ایک دفعدار آموجود ہوئے اور دوڑانہ اندر گھسے چلے آئے۔

منیرؔ تیرا نام ہے۔ یہ چھلا تو خیر نکل آیا بٹن کہاں ہیں۔

منیرؔ۔ چھلا کیسا۔؟

دفعدار۔ چوری اور سرزوری اب مال موجود چور موجود۔ تو پوچھتی ہے بٹن کیسے مس صاحب کے بٹن اور

منیراً۔ اجی ہم [illegible] ہیں یہ ہمارے ہاتھ میں مس صاحب نے زبردستی پہنا دیا تھا۔

دفعدار۔ ہاں ٹھیک ہے چل ہمارے ساتھ آ تو بھی کھڑی ہو رہی ادھر چل۔

آگے آگے بیمار اور پیچھے پیچھے مردہ رحیماً اس کے ساتھ معصوم اور سیدھی سادی منیراً ان کے پیچھے سپاہی اور دفعدار سب مل ملا کر تھانے پہنچے تھوڑی سی لکھا پڑھی ہو ہوا دونوں پھوپھی بھتیجیاں حوالات کر دی گئیں۔

اس واقعہ کی تیسری رات تھی دو بج رہے تھے دنیا پر ایک عالم سنسان طاری اور احاطہ حوالات کے ہر سمت خموشی چھائی ہوئی تھی پیپل کے درخت تناور کے سبز پتے اور گلابی مائل کونپلیں ان دونوں بیگناہ روحوں پر حسرت کے آنسو گرا رہی تھیں۔ دفعتاً رحیماً کی طبیعت زیادہ بگڑی اس نے منیراً کو اپنے پاس بلا کر کلیجہ سے لگایا اور کہا میری زندگی کی آخری گھڑیاں ہیں اب مجھے زندگی کی امید نہیں میرے بعد خدا کے سوا تیرا کوئی وارث نہیں مقدمہ کا نتیجہ جو کچھ ہوگا وہ تقدیر کا لکھا ہے ۔ ٹلنے والا نہیں۔ خدا مس صاحب کا بھلا کرے میری محنت کا معاوضہ میری خدمت کا سلوک میری بیاضت کا حق یہ ہی تھا۔ خیر خدا ان کو خوش رکھے میں نے ان کا نمک کھایا ہے بد دعا نہ دونگی اب میری آواز نہیں نکلتی پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں تھوڑا سا پانی اگر مل جائے تو منگا دے۔

پھوپھی کی گفتگو سنتے ہی منیراً بیتاب ہو گئی اس کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی اس حوالات میں کہ میں بے گناہ گرفتار ہوں پھوپھی جان خدا کا واسطہ میرا ساتھ نہ چھوڑ دیں نہ معلوم کیسی تقدیر لے کر آئی تھی۔ کہ میری وجہ سے آپ پر بھی مصیبت آ گئی پانی کہاں سے اچھا اتفاق پڑا ہے۔

رحیماً۔ ہائے پھوپھی جان غضب ہو رہا ہے خدا کا واسطہ پانی۔

منیراً۔ ہائے ہمارا کوئی پہرے دار [illegible] تھوڑا سا پانی دے دو۔ میری پھوپھی کی حالت

بہت خراب ہے۔

پہرے والا تجھ کو یہاں چھوڑ کر دو کوس پر پانی بھرنے جاؤں کہ تو بھاگ جائے۔

رات مریض پر تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے صبح ہوئی۔ آٹھ بجے کے قریب کوتوال صاحب آئے ملزموں کو دیکھا اور رحیماً سے پوچھا تو اس نے کہا :۔

اِس کا فیصلہ کہ ہم دونو پھوپھی بھتیجیاں چور ہیں یا شاہ جی ہی بہتر کر سکتا ہے ہاں تقدیر میں جو رسوائی ہونی تھی وہ ہوگئی۔ یہ میری جوان بچی گھر چھوڑ قید میں آگئی۔ ہم اپنے گھر میں رہتے تھے جو روکھی سوکھی خدا دیتا تھا کھاتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ قسمت یہ دن بھی دکھائیگی اپنی تکلیف مصیبت کا خیال نہیں۔ ہاں یہ قلق ضرور ہے کہ ہماری آبرو برباد ہوتی۔ ہم برادری میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اب اِس بچی کو کون قبول کریگا جو ہم پر پڑی خدا دشمن پر نہ ڈالے۔ یہ بچی لینے میں نہ دینے میں اس وقت بیگناہ بے قصور گرفتار ہوتی ہے۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم غریب ہیں مفلس ہیں۔ میں بیمار ہوں مر رہی ہوں ہم پر رحم کیجیے۔ خدا آپ پر رحم کرے گا !!

رحیماً کی گفتگو سچی تھی کوتوال آدمی معقول تھا بات سنتے ہی تہ کو پہونچ گیا اور اسی روز کوشش کر کرا کر دونوں کو رہا کروا دیا۔

(۸)

ہاں اماں جان نانی جان کے کچھ اور حالات بیان کیجیے۔ مجھے تو انکی باتوں میں بہت ہی لطف آتا ہے۔ ہم بدنصیب ہیں کہ ہم کو انکی زیارت تک نصیب نہ ہوئی۔

ماں۔ ارے بیٹی کیا سناؤں وہ باتیں خواب و خیال ہوگئیں وہ صورتیں خاک میں چھپ گئیں وہ جیتی بیویاں تھیں ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اب وہ صورتیں کہاں اب تو نئے نئے لوگ نئی نئی باتیں پیدا ہو رہی ہیں وہ اگلی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں نہ سننے میں جدھر دیکھو نئے دور اور جس طرف آنکھ اٹھاؤ نئے رنگ۔ وہ بیٹیاں ہیں نہ مائیں وہ گھر والیاں ہیں نہ بیویاں میرے تو دیکھ دیکھ کے اوسان اڑے جاتے ہیں دور کیوں جاؤں اور کو کیا کہوں اپنا ہی گھر دیکھو۔

اپنے ہی پیٹ پر نظر ڈالوں۔ رحیما کے ساتھ جو ہوئی ہے سچ پوچھو تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے خبر نہیں بیچاری پر کیا گذری ہیں تو اسکی صورت کو ترس گئی۔ بھلا وہ بچی معصوم آس نہ پاس اس پر کیا کچھ گذر گئی ؛

زاہدہ۔ ہاں اماں یہ تو سچ کہتی ہو میں بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ جب وہ روتی ہوئی آئی ہے اور گھگھیاں پڑ رہی ہیں ؛

کوئی آج اسی گھر میں نئے نوکر اور مامائیں تو آئے ہی نہیں۔ اللہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق سب کو ہی دیتے ہیں۔ اماں جان کے ہاں بھی کہ بیچاری غریب آدمی ہیں ایک ٹوٹی پھوٹی اب تک پڑی ہوئی ہے۔ مگر بڑی پھوپھی کے ہاں نقش بی ایسی آئی کہ مر کر ہی نکلی۔ جوانی اور بڑھاپا سب کے سامنے اسی دہلیز پر کاٹ دیا۔ ڈیڑھ برس کی رانڈ ہوئی مگر اس آن کی عورت تھی کہ اس کا پلنگ تک کسی کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ نانی جان کے ہاں کا حال تو کیا سناؤں اللہ کا شکر ہے انکے ہاں ایک چھوڑ تین تین مامائیں گھر میں اور دو نوکر ایک باورچی باہر تھے مگر وہ تو نوکروں اور ماماؤں پر کیا موقوف ہے محلے اور پڑوس تک کو عزیزوں سے زیادہ سمجھتی تھیں آج کے زمانہ میں اگر وہ ہوتیں تو بانو یہ دنیا ان کو بیوقوف سمجھتی یا وہ اس دنیا کو دیوانہ تم کو بھی شاید تعجب ہوگا۔ بھنگن سے بوا اور بہشتی سے بھائی کر کے بات کرتی تھیں۔ ماما نے کسی رشتہ کی عورت کا بچہ لیکر پال لیا۔ اور وہ مر گیا۔ بچہ برس دو برس کا نہیں پانچ چار مہینہ کا نہیں فقط چھ دن کی جان۔ گرمی کا یہ حال کہ چیل انڈا چھوڑے دو دن ماما نہیں آئی تیسرے دن آئی تو اس سے یہ تک نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کے دانت اسپر غضب یہ کہ آپ چولھے کے آگے بیٹھے روٹی ڈال رہی ہیں اور دم نکل رہا ہے اس نے آکر رونا شروع کیا تو آپ بھی روٹی چھوڑ چھاڑ اسکے ساتھ رونے بیٹھ گئیں۔ رشتہ کی ایک خالہ وحیدی وحیدی تھیں یہ تو خبر نہیں کہ کیا رشتہ تھا اور کس کی بیٹی بیوی تھیں مگر اتنا سنا تھا کہ ان کے ساتھ کی کھیلی ہوئی ہیں ہم بیٹھے کہتے ہیں وہ چھوٹی بارہ دری چار آنہ ڈولی کا فاصلہ کبھی جانا بھی ہوتا تھا تو چلتے چلتے آندھ آجاتی تھی مگر ان خالہ وحیدی کی تو یہ وضعداری کہ آندھی جائے مینہ جائے مگر ان کا جمعہ کا پھیرا

ناغہ نہ ہو۔ ساٹھ برس سے اوپر عمر تھی۔ مگر حال یہ تھا کہ جب تک رہیں بارہ مہینے لکڑی ہاتھ میں برقع سر پر چلی آ رہی ہیں۔ تائی جان ہزاروں روپیہ کی آدمی تھیں مٹکے کے مٹکے اشرفیوں کے بھرے پڑے تھے مگر جمعہ والے دن دوپہر ہی سے انکی راہ دیکھنے بیٹھ جاتی تھیں۔ خالہ وجیدی کی آن یہ کہ ایک آنہ کا پانوں کا مٹھا ہمیشہ ہاتھ میں لپک گئیں اور تائی جان کا سلیقہ یہ تھا کہ صورت دیکھی ہی لپکیں۔ اور دروازہ میں جا کر ہاں لے کے پھر کیسی گھل گھل اور مل مل کر گھنٹوں باتیں ہوتی تھیں کہ دیکھ کر بھی تعجب ہوتا تھا۔ مزا یہ تھا کہ جب تک وہ بیٹھی رہتی تھیں یہ ممکن نہیں کہ کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائیں۔ ہمارا بچپن تھا ہم کو انکی صورت دیکھ دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ ماموں جان نے ایک دفعہ اتنا کہہ دیا تھا کہ خالہ سے پیچھے باتیں کر لینا پہلے میرے کپڑے نکلوا دو۔ اس پر اتنی بگڑیں کہ تین دن تک ہی کپڑے پہنے وہ جو ہا سے بنے پھرے۔ مگر انہوں نے کپڑے نہ دیئے۔ جب چوتھے دن قصور معاف کروایا اور عہد کیا کہ آیندہ نہ کہوں گا تو راضی ہوئیں۔ رشتہ نہیں ناتا نہیں کنبہ نہیں برادری نہیں مگر چھوٹے سے بڑے تک سب کا منہ خالہ کہتے خشک ہوتا تھا ایک دن کے ساتھ کیا۔ ہم نے تو سب کچھ ان کو اسطرح ملتے دیکھا اور بات کرتے سنا۔ سمیہ گھر کی لونڈی تھی۔ اسکی لڑکی پانچ برس کی مری دن بھر مردے کو کلیجہ سے لگائے بیٹھی رہیں۔ اسکا میاں اتنا نالائق تھا کہ شادی ہوتے ہی طوطے کیطرح دیدے بدل گیا کبھی برسویں چھٹے چھمنے ایک آدھ دن کو بھیج دیتا، وہ بھی ایک آدھ دن کو مگر جب وہ بیمار بچہ کو لئے ڈولی سے روتی اتری اور اسکے میاں نے آکر کہا بیگم صاحب دیکھئے تو سہی یہ نظیرا کو کیا ہو گیا۔ تو اپنے ہاتھ سے بچھونا بچھا بالڑکی کو لٹا دیا۔ اور خود دوا پیسکر دونو وقت پلاتی تھیں ؛

میری آنکھیں جو سماں دیکھ چکی ہیں وہ اب نظر نہیں آسکتا۔ دل ان صورتوں کو نگاہیں ان چہروں کو اور کان ان باتوں کو تڑپ رہے ہیں ترس رہے ہیں اور پھڑک رہے ہیں۔ میرے ماموں جان کی شادی ہے دیگیں انگنائی میں رکھی اور آپ تو مونڈھے پہ بیٹھی کھانا تقسیم کر رہی ہیں مجھے ایک بن ماں باپ کا بچہ نو دس برس کا ہوگا۔ سو روپیہ کی لیمپ کی جوڑی ہے

ہوئے آیا اسکی بھی خطا نہ تھی اور نانا جان کو بھی معلوم نہ تھا انہوں نے اصل میں جوڑی بھیجی نوکر کے ہاتھ اس بیوقوف نے پہلے تو دو چار آوازیں ماماؤں کو دیں۔ مگر شادی کا گھر۔ کچہریاں کب ہی تھیں سنتا کون تھا۔ لڑکا اتفاق سے پہونچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دیدی بچہ کا نام تو لڑکا تھا۔ مگر پھر بچہ ہی تھا خوشی خوشی لے آیا۔ چبوترے پر چڑھ رہا تھا کہ پاؤں رپٹ گیا اور دونوں چھن سے گر بیسیوں ٹکڑے ہوگئے۔ نانی جان تو دنگ رہ گئیں۔ مگر نانا جان کا غصہ بہت تیز تھا سنتے ہی آگ بگولا ہوگئے اور دلدار کو کمر مردانہ لے گئے۔ نانا جان تو خدا جانے ادھر ہوا کرتے یا کھال ادھیڑتے اسد نانی جان کو بخشے۔ مہمانوں کو چھوڑکر پردہ کروا مردانہ میں پہونچیں اور کہنے لگیں +

"صوبہ دار صاحب کچھ شک نہیں اس بدنصیب بچہ نے دونوں لیمپ جن میں تیل پڑنا اور جنکو جلنا ایک نصیب نہ ہوا اپنی بیوقوفی سے توڑے مگر جس وقت تم اس کا ہاتھ پکڑکر چلے ہو اسوقت اسکی حسرت آمیز نظریں جن میں بیگناہی کا عذر تھا تمہارے چہرے پر تھیں یہ ہیں اسوقت اسکے دل کی کیفیت اور اسکی اندرونی حالت دیکھ رہی تھی اس کا بدن کانپ رہا تھا اسکی زبان خاموش تھی اسکی آواز نکلتی نہ تھی اور اسکی حالت اسوقت اس گائے کی سی تھی جو قصائی کے قبضہ میں تیز چھری کو دیکھ کر سہم رہی ہو میں جانتی ہوں یہ معصوم ہمارے پیٹ کی اولاد نہیں مگر اس کا بھولا چہرہ اسکی یتیم صورت اسکی خاموش آنکھیں چپ تھیں اور اب بھی ہمارے رحم کی خواستگار ہیں یہ ایک بے زبان جانور ایک مظلوم انسان اور ایک بے گناہ ہستی ہے جو اسوقت ہمارے سامنے ہمارے قبضہ میں ہمارے پنجہ میں ہمارے بس میں موجود ہے ہم کو اختیار ہے کہ ہم اسکی ماریں پیٹیں سزا دیں چھوڑیں اسکے سر پر باپ کا سایہ ہے نہ ماں کی شفقت اسکی تکلیف سے اس کی اذیت سے اسکی مصیبت باپ کا دل، ماں کی مامتا متاثر ہونے والی موجود نہیں مگر آج وہ دن ہے جو ہزاروں ارمانوں سیکڑوں منتوں اور بیسیوں خواہشوں سے ہم کو میسر آیا اس خدائے برحق نے ہم کو یہ خوشی عطا فرمائی جسکی مخلوق اس وقت ہمارے رحم کی منتظر ہے اور جو خود ہماری حالت کا مطالعہ کر رہا ہے صوبہ دار اسکا قبضہ میں کچھ نہیں یہ رو کر چپ سہلا کر خاموش اور پٹ کر ساکت ہو جائے گا۔

اسکی آنکھ کا ہر آنسو اسکی آہ کا ہر حصہ اور اسکی تکلیف کا ہر ٹکڑا بہت وزنی ہوگا۔ یہ بے بس کی فریاد اور بیکس کی شکایت ہوگی۔ اس سرکار میں اور اس دربار میں جو حقیقی صوبہ دار ہے۔ مگر اسکے عفو میں بہت کچھ ہے اسکی خوشی بے پایاں اسکی فرحت بے مثال اور اسکی حسرت بے نظیر ہوگی اسکے دیکھنے والے اس کے ماباپ نہیں اسکے رشتہ دار نہیں۔ اسکے عزیز نہیں قریب نہیں۔ مگر ماسے زیادہ باپ سے بڑھکر عزیزوں سے افضل رشتہ داروں سے اعلےٰ وہ طاقت ہوگی جو لازوال ہے اور وہ حکومت جسکو فنا نہیں +

صوبہ دار صاحب بہت نازک وقت اور موثر سماں ہے للہ اس بچے کو خدارا اس معصوم کو کلیجہ سے لگا لیجئے اور اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھئے وہ آسمانی بادشاہت کا راج کرنے والا تخت حکومت پر نظر آئے گا۔ اس سے التجا کیجئے اور ہم سے آمین کہلوائیے کہ اپنے حبیب کے طفیل اپنے رسول کا تصدق اس طرح ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہم پر رحم کرے۔

ہم سب کوٹھے پر کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے۔ نانا جان ہنسنے لگے تو اسکو خود نانی جان نے گلے سے لگا لیا اور ساتھ لیکر آئیں پاس بٹھا لیا اور کھانا نکالنے لگیں۔ بچہ رات زیادہ آگئی تھی وہیں پڑکر ڈھیر ہوگیا۔ رات کا ایک بجا ہوگا کہ کھانا نکالکر خود کھانے بیٹھیں بچہ کو جگایا پہلے اسکو کھانا کھلایا۔ کیا وقت تھا بچہ کھانا کھا رہا تھا اور وہ اپنے ہاتھ سے اسکو پانی دے رہی تھیں کبھی اسکے سر پر ہاتھ پھیرتی تھیں کبھی اسکو چمکارتی تھیں۔ جب بچہ کھانا کھا کر لیٹ گیا ہے اس کے بعد انگنائی میں آئیں یہ خبر نہیں کیا۔ گرگڑ گڑا کر دعا مانگی اور پھر آکر خود کھانا کھانے بیٹھیں +

(۹)

جس طرح زاہدہ کی شادی کا اختیار از ابتدا تا انتہا سابقہ کر تھا اسیطرح شاہدہ کی شادی کے متعلق اسکی مجال نہ تھی کہ وہ دم مار سکے رقعہ آیا نہ دیکھ بھال بات چیت کچھ نہ ہوا صرف ایک شام کو اتنا معلوم ہوا کہ کل شاہدہ کا نکاح ہے۔ ماں نے اتنا تو کہا کہ کیا کہتے ہو۔ ماموں بھی

نہ بٹھاؤ گے مگر جب یہ سنا کہ تم ان باتوں میں دخل نہ دو اور ایسی لغو رسم کا ذکر اب میرے سامنے نہ کرنا تو خاموش ہو گئی۔ دوسرے دن سہ پہر کو مہمان آنے شروع ہوئے مگر کون؟ مہمان ماں کا ملنے والا ایک نہیں باہر باپ کے ملنے والے اور اندر لڑکی کے ایسی حالت میں ماں غریب دخل ہی کیا دے سکتی تھی اور اسکی بات کو پوچھتا کون تھا اور اگر ہماری رائے غلط نہ ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہوا اسکا بڑا حصہ خود دلہن کے مشورے اور سہیلیوں کی صلاح ہے جب شاہدہ دلہن بن چکی تو نکاح سے پہلے باپ نے دولہن کو دولہا کے سامنے بٹھا دیا اور کہا چونکہ اسلام کا یہ صریح حکم ہے کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی صورت دیکھکر پسند کریں۔ اسلیئے اب تم دونوں ایجاب وقبول کے واقعی مجاز ہوئے۔ اسکے بعد اجازت لیگئی دونوں نے رضامندی ظاہر کی اور نکاح ہو مس شاہدہ مسز حسن بنکر میکے سے وداع ہو کر سسرال جا پہنچیں +

ایم۔ ڈبلیو حسن ڈاکٹر تو نہ تھے۔ مگر ڈاکٹری کی تعلیم کے واسطے دو دفعہ ولایت گئے اور دونوں دفعہ جیسے گئے ویسے آگئے خوشحال باپ کا بیٹا تھا۔ روپیہ کی کمی نہ تھی مگر سوا اسکے کہ نام مسلمانوں کا تھا۔ شروع سے آخر تک اور گھر سے باہر تک کوئی چیز اسلام کی نہ تھی۔ لباس خوراک رہنا سہنا کھانا۔ پینا۔ ملنا جلنا۔ بولنا چالنا غرض ہر فعل اور ہر قول مسلمانوں سے سینکڑوں کوس دور تھا۔ اور ایسی پر بس نہ تھی غضب یہ تھا کہ مسلمان جاہل اور نمازی بیوقوف سمجھے جاتے تھے قیاس یہیں تک ختم ہو جاتا تو غنیمت گلے زمانہ کے سیدھے سادے مسلمانوں کا تو وہ مضحکہ اڑاتا تھا کہ خدا کی پناہ برائیاں انہیں ہوتی تھیں۔ بیوقوف وہ بنتے تھے بربادی قوم کا سبب وہ جہالت کا باعث وہ افلاس کی اصلیت وہ غرض کوئی عیب کوئی خرابی کوئی نقص اور کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان مرنے والوں پر نہ ہو یہ رنگ تیس پچیس برس سے مسٹر حسن کے خاندان پر چھایا ہوا تھا غنیمت اور طیبات خدائی فیصلہ ہے گاڑھے میں گاڑھے اور وزن میں زر لفت پر ٹھیک ہوتا ہے شاہدہ ان سے بھی دو قدم آگے رہی تھیں میاں بیوی کے خیالات یہیں تک پہنچے کہ سبحان اللہ آٹھ نو سو روپیہ ماہوار کا کرایہ جایداد کا تھا وہ سالم گاؤں علیحدہ

روپیہ کی کچھ کمی نہ تھی۔ اولاد میں صرف دو حسن اور حسینہ دو بچے دو میاں بیوی چار دم جن میں اب ایک اور بڑھ گیا۔ پانچ آدمیوں میں ہزار ڈیڑھ ہزار کی آمدنی نہایت بے فکری اور کامل اطمینان سے بسر ہوتی تھی۔ چار مامائیں دو چھوکریاں ایک چھوکرا اندر خانساماں بوائے سائیس اردلی پانچ آدمی باہر کے تھے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ماماؤں کا یہ حال تھا کہ چھوکری بھی دروازہ پر آتی تو یہ کہتی کہ سائیس سے بولو گاڑی کھینچے۔ اب شاہدہ کی روزانہ زندگی یہ تھی وہ آٹھ بجے کے قریب سو کر اٹھتی پلنگ پر بیٹھے بیٹھے چاء کی پیالی اور دو انڈے کچھ توس کھاتی اس کے بعد غسل خانہ جاتی۔ نہا دھوکر باہر آتی۔ بال بنواتی۔ کپڑے پہنتی اور ڈاک دیکھتی۔ کھانا کھاتی۔ اخبار پڑھتی۔ سو جاتی۔ اٹھ بیٹھتی۔ منہ ہاتھ دھوتی۔ کنگھی کرتی۔ کلب جاتی آتی اخبار پڑھتی۔ کتاب دیکھتی باتیں کرتی سو جاتی۔ دو ڈھائی سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ ناکے نام سے تو اسکو ہمیشہ نفرت رہی اور ساس کے ساتھ ہی زاہدہ دشمن تو نہیں۔ مگر کچھ ایسی دوست بھی نہ تھی۔ ہاں سو عقلمندوں کا عقلمند اور داناؤں کا دانا وہ باپ تھا جسنے بیٹی کو اپنا دیوانہ بنا دیا۔ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ اس سے ملنے کو البتہ آجاتی اور دنیا دکھاوے کی شرم یا بیٹے میں رکھنے کا لحاظ جو کچھ بھی تھا گھڑے گھڑے ماکو بھی صورت دکھا جاتی ورنہ وہ میکے کے نام سے متنفر اور صورت سے بیزار تھی۔ حد یہ ہے کہ دو برس شادی کو ہو گئے۔ ۔۔۔ صحت علالت سب ہی طرح سے گذری مگر اس نے ایک دن کیا ایک لمحہ کے واسطے ۔۔۔ گھر پر گوارا نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک چھوڑ دو دو زچہ خانے ہو گئے۔ پہلا بچہ خاص آٹھ روز زندہ رہا۔ یہ ابھی ہوا مرا بھی۔ مگر ماں جنے میں یا مرنے میں نہ آسکی گھر بیٹھے بیٹھے ماں تا کی ماری ہر چند جلی اور تڑپڑائی۔ مگر وہاں جانے کی اجازت نہ ملی۔ اس لئے کہ معقول پڑھے لکھے شریف ہوشیار سمجھدار آدمیوں میں جاہل پھوہڑ جنگلی نالائق آدمی کے جانے سے سوائے بدنامی کے کیا حاصل۔ دوسرا بچہ قریب ۔۔۔ نانا کے پاس آتا اور اسکے طفیل گھر میں بھی نرس لیکر آجاتی۔ کفالہ اور نانی دونو دیکھ لیں مگر دور سے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کا لغو خیال کسی کی بری عادت

بچہ پر اثر ڈالے۔ یہ بچہ جس روز سے پیدا ہوا اس روز سے ایک نرس کے سپرد کر دیا گیا تھا تعلیم جدید نے جہاں دنیائے نسواں سے بہت سے نقائص دور کئے ہیں وہاں دودھ بھی ماؤں کے سینہ سے خشک کر دیا تھا۔ کہ یہ بھیڑ بکری کا شیوہ ہے۔ پھر بھلا شاہدہ کے واسطے اس سے زیادہ کسرِ شان کیا ہوتی کہ وہ کلب میں بیویوں کے سامنے بچہ کو گود میں سے چھاتی سے لگائے بیٹھی ہیں اور بچہ جسپر جسپر کر رہا ہے۔ بچہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ انا مقرر ہو گئی تھی اور قوم کی ایسی کوڑھن جا رہی تھی۔ مگر گھر والوں کے یہ نخرے دیکھ ہاتھ سے صاف اکھڑ گئی۔ خرابی یہ تھی کہ اس سے پہلے کلکٹر صاحب کے بچہ کو دودھ پلا چکی تھی مزاج بھی ایسا ویسا نہ تھا اور عادت کی بھی رچینا تھی کہ بے گناہ حوالات میں پہنچ جاتی۔ ایک ہفتہ کا نوٹس دے ٹھیک ساتویں دن سب کے سامنے بچہ کو چھوڑ سیدھی ہو لی۔ بہتیرا حسن اور شاہدہ منت خوشامد کرتے رہے مگر اس نے خاک نہ سنی۔ آخر شاہدہ اپنی اگلی طبیعت پر آئی اور کہنے لگی ہم تم کو پولس میں بھیج دیں گے۔ ہمارا بچہ بھوکا مر جائے گا۔

انا۔ ایسی ایسی پولس میں بھیجنے والیاں بہتیری دیکھ لیں ہم نے اسی واسطے نوٹس دیا تھا اور تم سے پہلے پولس میں رپورٹ اور میم صاحب سے ذکر کر دیا ہے۔

اب آگے نقلی میم صاحب کیا بول سکتی تھیں دم ہی تو ہو گئیں اور انا اپنا بستر سنبھال سیدھی ہو لی۔

انا کے جاتے ہی میاں بیوی ساس نند سب ہی کے چھکے چھوٹ گئے سوچا یہ تھا کہ [illegible] کہ انا بچہ پہنچا کی میم صاحب ہے چاروں طرف تلاش [illegible] ایک ایک سے کہا لیکن انا بازار کی مٹھائی تو تھی نہیں کہ مول لے آتی۔ [illegible] آنکھوں میں کٹ گیا اور چھ مہینہ کا بچہ بھوکا پیاسا [illegible] تعلیم یافتہ گروہ میں سے تو کوئی کام نہ آیا [illegible] جب سے [illegible]

کیطرح تڑپ رہی تھی۔ جب شام تک کچھ انتظام نہ ہوا تو زاہدہ سے کہنے لگی بیٹی لا بیں اماں کے ہاں ہو آؤں۔ وہاں شاید کوئی انا مل جاتے زاہدہ نے اس رائے سے اتفاق کیا تو ماں کو کیفیت جا کر سنائی۔ انہوں نے کہا بیٹی انا کا ملنا تو ایسی بڑی بات نہیں بستی ہی موجود ہے ڈیڑھ برس کا بچہ گود میں دودھ پی رہا ہے۔ غیر بھی نہیں دور پرے کی رشتہ دار ہے مگر شاہدہ کا نام ایسا نکل گیا ہے کہ سب کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ بستی ہے تو غریب اور مصیبت ماری نگوڑی سی ایسی ماندہ ہوئی ہے کہ صورت دیکھ کر جی کڑھتا ہے۔ خاصی کھاتی پیتی ایک میاں کے مرنے سے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئی۔ نوکری تو وہ کیا کرے گی کمبخت کبھی گھر سے نکلی نہیں ہاں میرے کہنے سے دو چار دن کے لئے چلی جائے گی۔ جب تک انا کا انتظام ہو مگر ایسا غضب نہ ہو کہ بی شاہدہ اپنے میم پنے میں کوئی ایسی ویسی بات کہہ بیٹھیں جا بیٹی ذرا بستی کو تو بلالا۔

دونو ماں بیٹیوں نے بستی کو ملکر رضامند کیا پہلے تو بستی انکار کرتی رہی جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو کہنے لگی۔ خالہ جان اچھی بات ہے مگر میں نوکری تو کرتی نہیں اپنا بچہ سمجھ کر دو چار دن کو مہمان کے طور پر چلی جاتی ہوں۔

بستی کو رضامند کر اسی وقت ڈولی منگوا پرچہ لکھ ماں نے شاہدہ کے پاس بھیجدیا اور شاہدہ صاحب کے صاحبزادہ مسٹر محسن بستی کا دودھ پینے لگے۔

اپنے مطلب کے دیوانے بھی سیانے ہوتے ہیں پھر شاہدہ تو ماشاء اللہ سرتوں کی سرتی تھیں اپنی غرض باولی اپنا مطلب اندھا جی کھول کر خاطر کی زبان بھی میٹھی باتیں بھی اچھی۔ دوسری انا کا انتظام چار دن کیا پندرہ دن بھی نہ ہوا تو بستی کو کہنا پڑا بیوی اب مجھے رخصت کیجئے۔ میں تو صرف چار دن کو کہہ کے آئی تھی اب البتہ معاملہ ٹیڑھی کھیر تھی۔ رعونیت یا فرعونیت اگر طبیعت سے ہے تو ہر وقت ہو یہ کیا کہ اپنے وقت پر تو منو بلائی بن گئے۔ اور جب اپنی غرض نکل گئی تو ماش کے آٹے کی طرح اکڑ رہے ہیں بستی بیچاری سیدھی سادی مصیبت زدہ وقت بڑی سات پانچ اور دھوکا فریب جانے کیا اور سمجھے کیا۔ شاہدہ نے اس کی

سادگی سے فایدہ اٹھایا۔ اور ایسا شیشہ میں اتا را مادہ رگ پٹی اور وہ دہونس دی کہ بدنصیب کو ہاں کرنی پڑی اور کہہ دیا کہ اچھی بات ہے آپ انا کا انتظام نہ کیجئے میں دودھ پلا دونگی ؛

مزاج میں فرق باتوں میں تغیر خوشامدوں میں کمی تو اول ہی روز سے ہو گئی تھی چار ہفتے بعد نو رنگ ہی اور تھا بسنتی دیکھ دیکھ کر متعجب اور حیران ہوئی جاتی تھی۔ کہ یا تو جناب جناب کہہ کر منہ خشک ہوتا تھا یا جناب سے تم اور تم سے بسنتی اور بستی سے انا بن گئی۔ مگر زبان دے چکی تھی۔ اور سمجھتی تھی کہ یہ زبان وہ چیز ہے جس سے بیٹا بیٹی پرائے ہو جاتے ہیں۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اول میں تو آٹھویں دسویں جب جی گھبرایا اور جی چاہا گھنٹہ دو گھنٹے کو گھر ہو آئی تھی۔ مگر انا بنتے ہیں تو شاہدہ نے وہ رعب بٹھایا کہ ضرورت بھی ہوتی تھی تو اجازت لینے کی ہمت نہ پڑتی تھی ؛

وقت کی بات ہے کہ جاڑے ختم ہونے اور گرمی شروع ابھی رات کی سردی خاصی باقی تھی کہ بخار چیچک اور بخار کے ساتھ کھسرا اس غضب کی کہ خدا کے اچھے کھیلتے مالتے بچے تین تین چار چار دن میں چٹ پٹ ہو گئے غضب یہ تھا کہ بچوں ہی پر بس نہیں ساٹھ ساٹھ پینسٹھ پینسٹھ برس کے بڈھے بڈھیاں اسمیں لڑک گئے بسنتی کا لڑکا شریف دو برس کا تھا اور طرہ یہ پھوٹی آنکھ کا دیدہ ، سر بدلے کا سر بستی کی تو زندگی کا سہارا اور دنیا کی تمام امیدیں جو کچھ وہ بچہ اسی کے اوپر رنڈاپا کاٹ رہی تھی اور اسی امید پر جیتی تھی کہ بڑا ہو کر سب مصیبتوں کی تلافی اور رنجوں کا معاوضہ کر دیگا بچہ کپکپایا تا کپکپا تا آکر ماں کی گود میں پڑ گیا۔ ماتھا تو اس کا اسیوقت ٹھنکا تھا مگر ایک آدھ گھنٹہ بعد تو جسم کی یہ حالت کہ چنے بھون لو حیرانی اور پریشانی کیسی مامتا کی ماری کی جان نکل گئی چاروں طرف بچہ کو گود میں لیئے سٹ پٹاتی پھری کبھی اس سے کبھی اس سے دیوانوں کی طرح ایک ایک سے پوچھتی ایک ایک کو دکھاتی ایک ایک سے صلاح لیتی اس کے دل کی تو یہ حالت تھی۔ شاہدہ سنگدل کو فوراً ملیریا کا خیال آیا اور ساتھ ہی اپنے بچہ سے بسنتی کے پاس آئی اور کہا :-

انا اسکو کھسرا نکلے گا اور یہ سب گھر میں پھیلے گا۔ تم اسکو فوراً علیحدہ کردو اور اپنی ماما کے پاس بھیجدو؎

بستی۔ واہ بیوی واہ کیا کہہ رہی ہو کس دل سے بھیجدوں اسکو تو وہاں بھیجدوں اور میں یہاں پڑی رہوں ایسا مجھے کیا لالچ واہ،

شاہدہ۔ ایسا ہونا چاہیے۔ اور ہوگا۔ تمہارے بچہ کیوجہ سے ہم اپنا گھر بیمار نہیں کرسکتے؎

بستی۔ بیوی تو میں کب کہتی ہوں کہ تم اپنا گھر بیمار کرو۔ تمہارا گھر تم کو مبارک ہو میں اپنے بچہ کو لیکر چلی جاتی ہوں۔ ذرا ڈولی منگوا لوں

شاہدہ۔ تمہارا بچہ کا جینا نہایت ضروری جسکو جینے کا کوئی حق نہیں۔ باپ اس کا نہیں، تم خود مفلس فقیر اور ہمارا بچہ بھوکا رہے تو تمہاری بلا سے۔

بستی۔ تو پھر جو آپ کہیے وہ کردوں۔

شاہدہ۔ تم یہاں سے ہرگز نہیں جاسکتیں؎

بستی۔ اور میرا بچہ۔

شاہدہ۔ اسکو جانا پڑے گا۔

بستی۔ واہ بیوی واہ کیا بات کہہ رہی ہو۔

شاہدہ۔ سچ کہہ رہی ہوں۔

ابھی یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ مسٹر حسن اندر آئے اور بیوی نے کہا ڈیر حسن انا کے بچہ کو بخار ہے اور چیچک معلوم ہوتی ہے اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ اسکو فوراً نانی اماں کے ہاں بھیجدیجیے کہ وہ اسکی نانی کو دیدیں؎

بستی۔ واہ بی واہ میں خود لیکر جاؤں گی۔

شاہدہ۔ تو ہرگز نہیں جاسکتی۔ ہمارا بچہ بھوکا روئے گا؎

بستی۔ رو ئے گا تو میں کیا کروں۔

احسن۔ گستاخی مت کر۔

اب شاہدہ آگے بڑھی بچہ کو زبردستی گود سے چھین کر آدمی کو دیا کہ فوراً لے جائے بستی بچہ کے ساتھ جانے کے واسطے چلی مگر آدمی نے اسکو اندر کر دیا اور شاہدہ نے کہا تو اگر گئی تو عمر بھر جیلخانہ میں سڑے گی ہمارا بچہ کوئی وجہ نہیں کہ بھوکا رہے چونکہ ایسے بیمار بچے کو شاہدہ نے ہاتھ لگایا تھا جسکو چیچک کا اندیشہ تھا پورا غسل کیا اور باہر آکر جب دیکھا کہ ماں کی ماری چاروں طرف ٹکراتی پھرتی ہے تو نہایت غصہ سے کہا۔ اس فضول جھگڑے سے کچھ فایدہ نہیں کیوں دوسروں کو پریشان کیا۔ لے پہلے بچہ کو دودھ پلا۔

اپنے سامنے دودھ پلوا کر بچہ نرس کو دیا اور خاص طور پر باہر کے آدمیوں کو تاکید کردی کہ زنانہ نکلنے پائے دو یا تین مرتبہ غریب نے جانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ مجبور ہو کر بیٹھ گئی بستی کا بچہ شریف جب نانی کے پاس پہونچا تو شاہدہ اور شریف کی دونو نانیاں سشدر رہ گئیں سبب پوچھا تو نوکر کچھ بتا نہ سکا۔ حیران تھیں کہ بیمار بچہ کو نوکر کا لے جانا اور بستی کا نہ آنا آخر معنی کیا رکھتا ہے۔ بچہ کا یہ حال تھا کہ بخار خوب زور کا تھا۔ گر دو برس کے بچہ کی بساط ہی کیا۔ آنکھ کھلتی تھی تو اماں اماں کہہ کر پکارتا تھا معصوم کی اس حالت پر شاہدہ کی نانی کا دل بگڑ گیا۔ ڈولی منگوا سیدھی نواسی کے ہاں پہونچیں یہ پہلا روز پہلا اتفاق بلکہ شادی کے بعد نانی نواسیوں کا پہلا آمنا سامنا تھا۔ بستی تو ان کی صورت دیکھتے ہی دوڑ کر روتی ہوئی لپٹ گئی اور پوچھا۔

خالہ جان میرا بچہ کیسا ہے ؟

دیکھئے تو سہی میرے شریف کو نکال دیا کہ وہ بیمار ہے اور مجھے نہیں جانے ... پہرے بٹھا دیئے کہ میں نہ نکلوں۔

نانی۔ بیٹی چل تو میرے ساتھ چل بیمار بچہ تڑپ رہا ہے۔ نوکر نہیں جا کر ...

اس ظلم پر کمر باندھی۔

شاہدہ۔ تو کیا آپ کی رائے یہ ہے کہ میرا بچہ بھوکا مر جائے۔

نانی۔ مرضی اللہ کی اگر مر جائے تو مگر یہ اپنا بچہ کیوں چھوڑے۔ تم کو دس ہزار دفعہ غرض تھی اسکو رکھا ہوتا۔ اب یہ اکیلی کیوں رہے۔ چل بستی کھڑی ہو۔

غریب کے اوپر سب شیر ہوتے ہیں۔ نانی کے سامنے اس لئے نہیں کہ وہ نانی تھیں بلکہ اسلئے کہ بگڑا ہوا انسان بھپرا ہوا شیر ہو جاتا ہے۔ شاہدہ اور احسن دونو چپکے کھڑے دیکھتے رہے اور وہ بستی کو ساتھ لے ڈولی میں بٹھا سیدھی ہولیں۔

قدرت کے کارخانے بھی عجیب ہیں بستی جس وقت چلی ہے تو اسکی آنکھ سے زار قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی تھیں۔ رستے بھر دعائیں مانگ رہی تھی اور کہتی تھی۔ الٰہی اپنے حبیب کا طفیل میرا بچہ تندرست ہو جائے۔ بلبلاتی ہوئی اتری بچہ کو گود میں لیا۔ کلیجہ سے چمٹایا۔ تو بخار ہلکا تھا۔ صبح تک بخار کا پتہ بھی نہ رہا اور بچہ خاصی اچھی طرح ٹہلنے لگا۔

ادھر یہ گذری ادھر جو ڈھونڈ ڈھانڈ کر انا کا انتظام ہو گیا اسکے دودھ کی آزمائش ڈاکٹر نے کی چیچک کا دور تھا احتیاطاً انا کو نہلایا دھلایا نئے کپڑے پہنائے۔ بچہ کو دودھ دیا مگر نہ معلوم دودھ میں کیا دھرا تھا کہ حلق سے اترتے ہی بچہ بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹر آئے لیڈی ڈاکٹر آئی۔ الغرض دو دن اور دو رات یہ تانتا بندھا رہا تیسرے دن دیکھا تو بچہ چیچک کا جال لیا ہوا ہے۔ اب البتہ دیکھنا تھا کہ کون کون احتیاط کرتا ہے اور ممتا کے سامنے بھی بات قائم رہتی ہے یا نہیں لیکن افسوس یہ شوں شاں دوسروں ہی تک تھی اپنا بچہ پڑا تو احسن اور شاہدہ دونو احتیاط وغیرہ سب بھول گئے چیچک نکلے بچے کو دونوں نے دونوں لپٹ لپٹ کر روتے اور چپٹ چمٹ کر پیار کیا کرتے۔ گرمی کا موسم تھا۔ اس غضب کا کہ [illegible] ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں نے ہر چند نسخے بدلے اور دوائیاں تبدیل کیں مگر بخار نے جنبش نہ کی۔ شاہدہ اب بچہ کو خود اپنے ساتھ لے کر سوتی تھی۔ اور سوتی کیا خاک تھی رات بھر

روتی تھی سینکڑوں اور ہزاروں مرتبہ اس توقع پر ہاتھ پھیرتی تھی کہ پسینہ آرہا ہوگا۔ گردن تو تانبا تھا کہ دہکنے کے سوا کچھ تھا ہی نہیں موسم کی گرمی۔ بخار کی حرارت۔ چیچک کا اثر آخر معصوم دماغ کہاں تک صحیح کب تک کام کرتا سرسام ہوگیا۔ یہ بھی عجیب وقت تھا۔ بچہ گردن دے دے پٹکتا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور آواز بہ مشکل تمام نکل سکتی تھی۔ اس وقت ماں کا ہولِ بھی کچھ کم قابلِ بیان نہ تھا۔ کہ بچہ کی یہ کیفیت دیکھکر اس نے نرس سے کہدیا کہ تم اپنے پاس رکھو مجھے دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ نرس کی مامتا نہیں رشتہ نہیں ناتا نہیں سرسام میں گرفتار معصوم اکیلا پڑا سر دھنتا اور کوئی آکر جھانکتا تک نہیں۔ نرس اکثر بیٹھی رہتی مگر بعض دفعہ ضرورتاً اور کبھی کبھی خواہ مخواہ بھی اکیلا چھوڑ کر چلی جاتی۔ یہ حالت چار روز اور چار رات رہی کہ گھر کے کسی آدمی کو آکر جھانکنا تک قسم تھا۔ نرس تھی یا بچہ۔ چوتھی رات بچہ کی حالت اول شام سے ہی خراب ہوگئی تھی۔ آج سر پٹکتا تھا اور بیہوش چھ مہینے کا ایک معصوم بچہ پھول خاموش پڑا تھا آدھی رات کے وقت بچہ نے آنکھ کھولی مگر افسوس وہ آخری موقعہ تھا ان ہی آنکھوں سے جو بجھ چکی تھیں۔ چاروں طرف دیکھا اور ایک ننھی سی سسکی کیساتھ ہمیشہ کو بند ہوگئیں ÷

بچہ کے مرتے ہی شاہدہ و حسن کا پہلا کام یہ تھا کہ مردے سے دور بھاگ گئے غسل دفن کے خفیف کام جو تھے وہ نوکروں نے کئے۔ شاہدہ اور حسن دوسرے روز پھول چڑھانے ضرور گئے۔ مگر ہاں شاہدہ اس صدمہ سے جو فطرتی تھا محفوظ نہ رہ سکی۔ اس نے کوشش میں کمی نہ کی لیکن جس قدر بہلاتی تھی اسیقدر بچہ کی صورت زیادہ یاد آتی تھی۔ ماں شاہدہ کے حالات سے بے خبر نہ تھی۔ ارادہ کرتی تھی کہ خود جائے اور سمجھائے۔ مگر ہمت نہ پڑتی تھی زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہ وہ جانتی تھی۔ جاؤں گی سمجھانے مگر آؤں گی رنجیدہ لیکن مامتا بھی اسکی حالت سن سنکر کلیجہ گھٹتا تھا۔ آخر اس نے یہ خط بیٹی کو لکھا:۔

بیٹی شاہدہ بیگم کو ماں کیطرف سے بہت بہت دعا۔ بچہ کی موت کا جو اثر تم پر

اور جو حالت تمہاری تھی وہ درست تم اس صدمہ میں جو کہو وہ بجا اور جو کرو وہ جائز نہ مگر یہ جو کچھ ہوا ہو رہا ہے قدرت کے ادنے اکرشمے اور دنیا کے معمولی کھیل ہیں۔ معاملہ خالق اور مخلوق حاکم اور محکوم بندے اور خدا کا اور مقابلہ زبردست اور کمزور شیر اور بکری اور ہاتھی اور چیونٹی کا ہے قطرہ کا اکڑنا دریا کے سامنے۔ پر کا پھیلنا پہاڑ کے روبرو تنکے کی تمکنت درخت کے آگے حماقت لغویت اور بیہودگی کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ دنیا عالم اسباب یقینی حالات نتیجہ واقعات لاریب معاملات انجام سعی بلاشبہ اس سے انکار اسکی تکذیب اسکی تردید غلطی بےوقوفی۔ نادانی مسرت زیادہ تر اپنے اعمال اور کلفت بیشتر اپنے افعال کا نتیجہ ہیں۔ قدرت کا فیصلہ خالق کا انتظام عالم کا نظام بے معنی نہیں کچھ وقعت اور کچھ حقیقت رکھتا ہے۔ مجبور کے معاملہ میں اختیار کمزور کے سامنے طاقت مفلس کے روبرو دولت اگر دماغ صحیح اور رائے صائب ہو تو اس زبردست ہستی کا پتہ دینگے جسکی سلطنت اور حکومت ابدی اور ازلی ہے۔ یہ امتیاز یہ تفوق یہ برتری اگر خیال درست اور قیاس معقول ہے تو بتا دیں گے اور دکھا دینگے کہ عزت میں ذلت اور دولت میں نکبت پوشیدہ اور پنہاں ہیں۔ یہ کمزور ہستیاں یہ مظلوم صورتیں یہ معصوم انسان یتیم بچے رانڈ عورتیں بیکس مرد اگر نظر وسیع اور آنکھ گہری ہو تو ہانکے پکار کے علی الاعلان اور بآواز بلند فنا کے نعرے اور انقلاب کے نغمے لگا اور گا رہے ہیں۔ چمن کا ہر پھول پھول کی ہر پنکھڑی بہار کا موسم۔ موسم کا ہر ذرہ خوشی کی گھڑی گھڑی کا ہر لمحہ خزاں اور بردباری رنج اور مصیبت کا پیام ہے کاٹ رہی ہو جو بو چکیں اور لے رہی ہو جو دیدیا غریبوں کی آہ یتیموں کا نالہ بیوہ کی فریاد فانی جانے والی نہیں۔ ان مظالم کی انتہا اور ان زیادتیوں کی حد ہے اور ضرور ہے کیا تم کو وہ وقت یاد نہیں جب تمہارے ہاتھوں ایک بڑھیا ماما ایک معصوم بچی رحیمًا اور منیرًا دونوں پھوپھی بھتیجیاں حوالات میں پہنچیں اور رات کے بارہ گھنٹے اس کنواری لڑکی نے جو تمہارے گھر پر تمہاری دہلیز پر ڈولی میں جھجکتی آئی اور برقع اوڑھ کر اتری سپاہیوں کی گالیوں اور ظالموں کی چٹکیوں میں گزار دیئے تمہارے دونوں شکار ظالموں کے پنجہ میں تھے رات انکے سر پر تھی اور بیکسوں کا وارث کوئی نہ تھا

وہ تمہاری نگاہ میں تمہاری رائے میں تمہارے خیال میں مجبور بے بس لاچار جو کچھ بھی ہوں مگر اُنکے سر پر ایک وارث تھا ایک مالک تھا ایک حاکم تھا وہ جسکی عزت تم سے زیادہ جسکی طاقت تم سے بڑی اور جس کی حکومت تم سے وسیع۔

میں اس خیال سے کانپ رہی ہوں جب بھی اور اب بھی۔ اسوقت بھی اور اسوقت بھی کہ بستی کا بچہ بھلر وا سالال کلیجہ کا ٹکڑا ماں کی گود سے چھٹا ہوا تمہارے جفا کار ہاتھوں نامعقول حکموں اور خودغرض ترکیبوں سے کیسی مصیبت میں پھنسا ما بچہ کی صورت کو ترستی رہگئی اور بچہ ماں کی آواز کو پھڑکتا نکال دیا گیا میں خوب جانتی ہوں کہ تمہارے دل پر تمہاری طبیعت پر تمہارے دماغ پر اسکا رتی بھر اثر نہ ہوا مگر اس ظلم کا انجام اس سختی کا نتیجہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا خدا کا فیصلہ خاموش اور اسکی لاٹھی بے آواز ہے۔ تم کو آج معلوم ہو گیا ہو گا کہ ماں کا منا کیا ہوتی ہے اور بستی کے دل پر کیا گذری ہو گی اور اس کا کلیجہ کس طرح کٹا ہو گا تم کو خدا نے دکھا دیا اور دنیا نے بتا دیا کہ جس کا کوئی نہیں اسکا بھی کوئی ہے اور جو بظاہر کچھ نہیں وہ در حقیقت کچھ ہے۔

دنیا نے تمہاری عقل پر اور زندگی نے تمہاری آنکھ پر نخوت اور تمکنت کے پردے ڈالدیئے اور تم اس خدا سے جو عزت والا حشمت والا طاقت والا قدرت والا ہے مایوسی فرنٹ اتنی بیزار اور اس قدر متنفر ہو گئیں کہ کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ طاقت رہنے والی اور یہ دولت ٹکنے والی نہیں حکومت عارضی اور دولت فانی ہے جوانی مہمان اور طاقت چند روزہ صحت کیساتھ علالت دولت کیساتھ افلاس خوشی کے ساتھ غم اور آزادی کے ساتھ قید وابستہ ہیں کبھی سوچو اور غور کرو کہ چمیا پر کیا گذری منیر ؔپر کیا بنی بستی کیا پیٹتی اور شریف کیا کہتا ہو گا میں کہتی ہوں اور محبت سے سمجھاتی ہوں اور الفت سے کہ یہ وطیرے غلط یہ راستہ ٹیڑھا اور یہ لچھن اچھے نہیں اسے جو حاکم حقیقی ہے اور ان روحوں سے جو کمزور دلاچار ہیں بچہ معصوم تھا بھاگ گیا ... تھوں ہیں جو بھگتی تھی یہ جو کچھ ہوا کچھ نہ تھا دنیا کی مصیبتیں زندگی کی ذلتیں ابھی بہت ... راہ پر ... ہیں تمہارے آگے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور گڑگڑا

اس کے حضور میں جو مالکوں کا مالک ہے کنٹرول کو مار ظالم غصے کو مسل نخوت کو غارت اور خود بینی کو روند کر چل اس رستے پر جو سیدھا اور اس ڈگر پر جو صاف ہے وقت باقی ہے اور موقعہ موجود گڑ گڑا ندامت کے آنسوؤں سے روشن مندگی کی التجاؤں سے جا اپنے قدموں سے گر اپنی آنکھوں سے جھک اپنے سر سے رحیما کے آگے منیرا کے روبرو اور بستی کے سامنے شاہدہ گود میں اٹھا کلیجے سے لگا یتیم شریف کو جو تیرے حکم سے بچھڑا اور خدا کے حکم سے ملا۔

(۹)

زاہدہ کی طرف سے تو باپ اس قدر غافل اور اتنا الگ تھلگ تھا کہ کبھی بھول کر بھی اسکو اسکی شادی کا خیال نہ آیا۔ ہاں البتہ اس رنج میں گھلی جاتی تھی ایک آدھ دفعہ میاں کے منہ پر کہا بھی۔ مگر اس بھلے مانس نے اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا اور اگر کبھی بہت ہی مہربان ہوا اور بیوی کی پریشانی کو قابل لحاظ اور سوال کو لائق جواب سمجھا تو اتنا کہہ دیا مجھ سے صلاح یا مشورہ تو درکنار میرے سامنے ذکر کی بھی ضرورت نہیں۔ تم جانو تمہارا کام۔ جو میری بیٹی تھی اسکا بیاہ کر دیا اب یہ تمہاری بیٹی ہے۔ جہاں جی چاہے کرو اور جس طرح دل چاہے انجام دو میں وہ بھی زور اور ظلم یا خاطر اور مدارات سے نکاح کے وقت شریک ضرور ہو جاؤں گا۔ جو لڑکے میرے علم میں ہیں یا میں جن کو پسند کرتا ہوں یہ بدنصیب انکے قابل نہیں جو نالائق اس کے لائق ہیں وہ ایسے ہی ٹٹ پونجئے ہونگے میں سوچوں تو بیوقوف اور غور کروں تو دیوانہ۔

بیٹی تو بہرحال بیاہنی تھی میاں کی بے اعتنائی کا نتیجہ یہ تو ہو ہی نہ سکتا تھا کہ زاہدہ کو عمر بھر کنوارا بٹھائے رکھتی چاروں طرف ٹٹولا تو پھوپھی مجازی خدا خدا کر کے ایک بر تجویز کیا انٹرنس پاس اوسط درجہ کی آمدنی سیدھے سادے لوگ جاہل تھوٹ نہ بالکل صاحب بہادر میاں سے تذکرہ کیا مگر جب وہ تیوری پر بل ڈال کر خاموش رہا اور جواب نہ دیا تو بات کر لی اور تاریخ مقرر ہو گئی۔ نکاح سے پانچ روز پہلے زاہدہ مایوں بیٹھی۔ شاہدہ حقیقی بہن تھی اور اسکی شرکت نہایت ضروری مگر اس سبب سے نہیں بلکہ اس لئے کہ جو ہوگا مضحکہ اڑانے کو باپ نے بیٹی کو بلوا بھیجا تھا کہ پہلے

کہ لڑکی کو بیاہوں بیٹھے چند گھنٹے گذرے ہونگے دونوں باپ بیٹیوں نے اس طرح نکتہ چینی شروع کی۔

شاہدہ۔ کیوں اماجان کیا بغیر بیاہوں کے نکاح جائز نہیں ہے۔

باپ۔ بیٹی تم کو نہیں معلوم یہ تو اسلام کا خاص حکم ہے۔

شاہدہ۔ اسے ہے اماجان تو میرا نکاح تو ہوا ہی نہیں۔

باپ۔ ہاں بات تو ٹھیک ہے اپنی اماں سے فتوے لو۔

ماں آخر ماں تھی ادھر تو بیٹی کی مفارقت کا اثر اسپر شوہر کے کچوکے اسپر ستم شاہدہ کا مضحکہ اپنی طرف سے ہر چند ٹالا بہت دیر تک خاموش رہی مگر جب یہ دیکھا کہ دونوں کے دونوں جان ہی کو آگئے تو بیٹی سے تو نہ بولی۔ مگر شوہر سے کہا۔

اسمیں شک نہیں کہ خدا نے تم کو تمہاری بچی کو ضرورت سے زیادہ عقل اور حد سے بڑھکر علم دیا مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ تمہارے سوا دنیا میں جتنے ہیں وہ جاہل اور بیوقوف جہالت اور بیوقوفی اگر اپنی قدیم روایات پر قائم رہنا اور بزرگوں کی تجاویز پر عمل کرنا ہے تو مجھ کو اس جہالت پر فخر اور اس بیوقوفی پر ناز ہیں بیوقوف اچھی اور جاہل بہتر لیکن تمہاری عقل اور علم اس بیوقوفی اور جہالت کے مقابل میں شاید تمہارے واسطے مفید ہو تو ہو دوسروں کے واسطے تو سراسر مضر اور یقینی ایذا دہ ہے میں آج پندرہ سولہ برس کی بیاہی ہوں بلکہ زیادہ برابر کی دو لڑکیاں آگے نانی بن چکی۔ جوانی ختم اور بڑھاپا شروع ہے مگر آجتک کسی بندگی کے سامنے تم سے ہنسکر بات نہ کی تمہاری عقلمندی کا نتیجہ اور تعلیم کا انجام یہ ہے کہ تین برس کی بیاہی لڑکی تم باپ کے سامنے اپنے نکاح کا ذکر ہنس ہنس کر اور کھل کھلکر رہی ہے۔ خدا مجھکو تو یہ وقت نہ دکھاتے اور زمین کا پیوند کردے اس سے پہلے کہ میں اپنے باپ کے سامنے ایسی بے غیرت بنوں مجھے اس سے انکار نہیں کہ ہمارے ہاں اکثر رسمیں جو دوسروں سے لی گئیں اور بہت سی باتیں جو ادھر ادھر سے داخل ہوگئیں قابل لعنت اور لائق ملامت ہیں لیکن وہ ... اور وہ تدبیریں جو ہم نے ٹالے ہزاروں عمر ونکے تجربے اور سینکڑوں برس کے غور و فکر کے انپر ... بڑا بتانا کھلی ہوئی غلطی ہے بے غیرتی کا تو علاج نہیں منہ اپنا زبان اپنی ... چاہو

بناکہو جس کو چاہو بھلا اگر بات کہو تو معقول اور کام کرو تو درست۔ بات ایسی اور کام ایسا کہ دوسرے بھی پسند کریں یہ کیا کہ جو منہ میں آیا وہ کہدیا روبرو آئے تو پھول کو پتھر اور سونے کو مٹی بنا دیا۔ مایوں کی رسم جس کا خاکہ اڑا رہے ہو قدامت کا بہترین جوہر ہے اگر سمجھتے اور غور کرتے تو نتیجہ یہ نہ ہوتا۔ کہ شاہدہ کا یہ حشر ہو۔

مایوں کی خوبیاں مجھ سے سنو اور خود ہی فیصلہ کرو کہ یہ جو کچھ میں نے کیا بیجا کیا یا بجا قربان جایئے ان پاک روحوں کے جو زندگی کے کیسے کیسے کٹھن رستے اور کیسی کیسی منزلیں اس خ سے طے کرنے بتا گئیں آجتک تو یہ تم بھی دیکھ رہے ہو کہ اگر شادی کا ذکر بھی آجاتے تو شرلف وہاں سے اٹھکر دور چلی جاتی ہیں کیوں اسلئے کہ حیا ایمان کا جزو ہے وہ لڑکی جو چار روز کے پہلو میں بیٹھنے والی ہے کس دل سے چار آدمیوں کے سامنے آنکھ ملاکر بات کرے ا دل کی کیفیت دکھا کر اور اپنی حالت سنا کر یہ بتا دے کہ میں تو اس دن کو ترس رہی کا فیصلہ یہ ہے کہ ایمان ہے تو جہان ہے اور شرم ہے تو ایمان ہے ہم مسلمان ہیں اور چا کہ ہماری لڑکیاں شرم و حیا کی دیویاں ہوں کہئے یہ ہماری رسم ضروری ٹھہری یا نہیں۔

اور لیجئے ہمارے ہاں کا تمدن اس درجہ خراب اور ناقص ہو گیا ہے کہ شادی کے موقع چاروں طرف سے خواہ مخواہ کے فتنہ پرداز لوگ پیدا ہو جاتے ہیں اور جن باتوں کا سر نہ پاؤں جوڑ گھڑ کر دیتے ہیں کوئی بیٹی والوں کو بھڑکانا اور کوئی بیٹے والوں کو بہکانا اپنا فرض سمجھتا ہے اس حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ لڑکی ان لغو اور لچر باتوں سے متاثر نہ ہو اور یہ فتنہ پرداز باں ا کان تک نہ پہنچیں۔

ایک کنواری لڑکی جو تیرہ چودہ برس میکے میں رہی اب اس گھر سے وداع ہوتی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ بلکہ زندگی اب ہی شروع ہوتی ہے کیا وہ یہ حق نہ اتنی مہلت دیدی جائے کہ وہ تخلیہ میں بیٹھکر اپنی آیندہ زندگی کے متعلق کہ اس کو آگے چلکر کیا کرنا اور کس طرح رہنا ہے مایوں کی ایک غرض

خوب نکلے اور اس کو اچھی خوراک دیجائے کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ اسکو جو کچھ کھلایا پلایا جائے اس طرح سب کی آنکھ بچا کر۔

یہ میں نے نہایت مختصر طور پر تمہارے سامنے دو تین ہی باتیں بیان کی ہیں۔ مگر جب تم شرم کو عورت کے واسطے فضول سمجھتے ہو تو میں جھوٹی او تم سچے ÷

میاں بیوی کی بیوقوفی اور بیٹی ماں کی جہالت پر دونو باپ بیٹیاں ہنستے اور ٹھٹھے لگاتے رہے۔ نکاح کے وقت تک اعتراضوں کا سلسلہ برابر جاری رہا مگر ماں نے مطلق پرواہ نہ کی اور ندا بھی سسرال جا پہنچیں ÷

(۱۰)

وداع کے دوسرے روز چالہ تھا۔ شاہدہ اس رسم کو کس طرح جایز سمجھتی۔ اس نے ماں کے سامنے باپ سے کہا ابا اب تک تو جو کچھ ہوا وہ ہو گیا اماں جان کی ذات سے متعلق تھا اور اس کا اثر بالواسطہ یا بلا واسطہ ان ہی پر پڑ رہا تھا۔ لیکن اب انکے خیالات ایک دوسری زندگی سے واسطہ رکھتے ہیں یہ وداع کوئی نئی وداع نہیں ہے۔ میں بھی آخر بیاہی گئی تھی۔ یہ بھی کوئی انسانیت ہے کہ دلہن کو گئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے اور طلبی کا تقاضا موجود کچھ روز انکو وہاں رہنے دیجئے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی عادت خصلت خوبو سے واقف ہوں اشد ضرورت ہے کہ آپ اس معاملہ میں دخل دیں اور دلہن کو ابھی نہ بلائیں ۔

باپ۔ بیٹی آخر سن تو تمہارے کہنے سے بھی رہی ہیں میں ہی اپنے منہ سے منع کر کے کیا لیلوں گا۔ میں نے تو شروع ہی سے انکے معاملہ میں اسیواسطے دخل نہیں دیا جو انکی سمجھ میں آیا وہ کیا۔ اب بھی دخل دینا نہیں چاہتا۔ جو ان کا جی چاہے کریں ÷

شاہدہ۔ ابا آپ اتنی سی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکیں کہ شادی کے بعد میاں بیوی کو کس قدر ضرورت ہے کوئی وجہ نہیں کہ آپ انکو آج بلالیں ÷

ا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں اور آبا و اجداد کے وہ طریقے جو موجودہ زمانہ کی

کسوٹی پر بھی پورے اُترے ہیں میرے سر آنکھوں پر ہیں مجھکو میری بچی دوبھر نہیں کہ میں اسکے شوہر کو اور ساس نندوں کو یہ یقین دلادوں کہ اس کا کوئی مرا جیا والی وارث نہیں۔ لڑکی گھر کا کوڑا تھی کہ نکال باہر کیا۔ وہ درحقیقت کلیجہ کا ٹکڑا ہے اسکی شادی قانون فطرت تھی۔ پورا کر دیا۔ مگر جب تک ماں باپ زندہ ہیں اسکے دکھ سکھ رنج راحت سے غافل اور بے خبر نہیں اور ان کا فرض ہے کہ شوہر کو یہ یقین دلا دیں کہ بیوی قیدی بن کر میرے قبضہ میں اور لونڈی بنکر میرے گھر میں نہیں آئی یہ دلہن جو اسوقت ہمارے گھر کی رونق ہے دوسری آنکھوں کی پتلی اور دوسرے دلوں کا سرور بھی ہے ہم کو یہ معلوم کرنیکی بھی ضرورت ہے کہ شوہر کے تعلقات سسرال والونکے برتاؤ اسکے ساتھ کیسے رہے وہ ناتجربہ کار ہے بچہ ہے اگر کسی معاملہ میں وہ صلاح کی محتاج ہو تو اپنے تجربے سے اتفاقات سنکر رائے دیں کہ جو گتھی پڑ گئی وہ کس طرح سلجھے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہماری بچیاں اتنی بے غیرت اور ایسی بے شرم اور اسقدر بے حیا نہیں کہ کہو میاں متقنع اور گھر سنبھالوں اپنا دو گفتہ کی دلہن اس گھر میں ہیں اور ان لوگوں میں جس کو اور جن کو پہلے دیکھا تک نہیں دستر خوان پر بیٹھ رکابی صفاچٹ کردے اور حکم دے "اور لاؤ" دھڑلے سے میاں کے سامنے ٹھرباں نچوڑے وہ ساس نندوں کے روبرو منہ چیر چیر کر اور پھاڑ پھاڑ کر بوٹیاں چباتے۔ بیچاریاں کہنے سننے سے ایک آدھ لقمہ کھا سکتی ہیں اسکو شرم کہو حیا کہو جدائی کا اثر فراق کا نتیجہ جو چاہے سمجھ لو تم ہی ایمان سے کہو کہ جب پالا پڑے ان لوگوں سے جو ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت کو نگاہ میں رکھیں اور سابقہ ہو ان لوگوں سے جو کھانے پر پینے پر پہننے پر اوڑھنے پر غرض ہر کام پر اور ہر بات پر رائے دیں۔ اور خیال ظاہر کریں تو احتیاط ضروری ہے یا نہیں اسواسطے یہ چالونکی رسم مقرر کی گئی جسکی بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ دلہن کے ساتھ دولہا کے تعلقات بھی سسرال والوں سے بڑھنے شروع ہوں میں نے ساری عمر میں تمہارے میاں کو دو یا تین مرتبہ دیکھا ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ اسکو کیا خبر کہ مجھکو اسکی محبت [illegible] حالانکہ ضرورت ہے اور [illegible] بیٹے ہیں کہ ہم اسکو بھی [illegible] بیٹی سے [illegible]

بچی کو ماری اسیطرح ہمکو بیٹا بیٹی تم ان باتوں کو کیا جانو اور کیا سمجھو۔

(۱۱)

شاہدہ کی شادی کو سال بھر سے زیادہ ہو چکا تھا۔ دونوں میاں بیوی بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہو کر اپنی اپنی جگہ خوش تھے اختلاف مزاج کی وجہ سے نہیں اختلاف رائے کے سبب کبھی کبھا دونوں میں کچھ کھٹ پٹ سی ہو جاتی تھی ورنہ اس نیک بی بی کا ضبط و تحمل اس درجہ بڑھا ہوا تھا۔ کہ وہ جو کچھ بھی کرتا اور جو کچھ بھی کہتا صبر سے دیکھتی اور شکر سے سنتی میاں نے یہ کوشش ہمیشہ کی بلکہ عمر بھر کی کہ بیوی اسکی مرضی پر رہے اور صلاح پر کام کرے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ جن باتوں کو وہ عیب سمجھتا تھا یہ ہنر اور جو اسکی نگاہ میں برائیاں تھیں اسکے خیال میں بھلائیاں کبھی کبھی ایسا ہوا کہ دونوں کسی خاص معاملہ پر بحث کر رہے ہیں مگر نتیجہ کچھ نہ نکلتا وہ اپنی کہتا یہ اپنی قائل وہ ہوتا نہ یہ جاڑوں کے موسم میں ایک روز دوپہر کے وقت انا منہیاری بغل میں ٹوکری لئے آئی گھر والی اسکی صورت دیکھتے ہی کہنے لگی :-

انا بہو سلام۔ کل سے دو دفعہ بلا چکی ہوں دیکھو تو سہی سونا سے اٹھے پڑے ہیں۔

انا بہو۔ بیوی کیا بتاؤں جب سے آنکھوں میں پانی اترا ہے صاف تو دکھائی دیتا نہیں لکڑی کے سہارے چلتی ہوں۔ اب تمہاری صورت دھندلی دھندلی دکھائی دیے ہی ہے کیا آؤں کٹھر کرے دھکا ہے بڑھاپے کے دن ٹیڑھا سودا اگر گر پڑوں تو چوٹ لگے سوا اگا ور نقصان ہو عبداسلیئے نکلنا ہی چھوڑ دیا تمہاری صاحبزادی کا نوکر دو دفعہ آیا پرسوں ہاں گئی تھی جاکر بھیج پچھتائی ان چوڑیوں سے تو انکو نفرت ہی ہے میرے منہ سے نکلا بیٹی تجھے ننگے ہاتھوں وہم بھی نہیں آتا اسے بیوی وہ تو صاف بگڑ گئی اور کہنے لگی۔ وہم کس چیز کا کیا شوہر کی موت اور زندگی چوڑیوں پر موقوف ہے۔ عبداسد جیسی چوڑیاں پہنا گیا تھا ایسی ہوں تو تمہیں دے جاؤ۔ نہیں تو میں نے چوڑیاں پہنا دیں ہاتھ ماشااللہ بڑی ہڈی دار پانچ ٹوٹیں جب دو چڑھیں آٹھ گرہ سے دیکر چار آنہ کی بیچیں انہوں نے پہلی ہی چوڑی پر کہدیا تھا۔

ٹوٹے وہ منہیاری کہ ادھر چوڑی چٹ ہوئی ادھر وہ کھلکھلا کر ہنسیں خیر میں چلتی رہی اور پہناتی رہی جب بہن پان چلنے لگیں تو ٹوکری دیکھ کہتی کیا ہیں یہ کانچ کی چوڑیاں پہننے والیاں بیوقوف ابھی زندہ ہیں اس پر تو میرے آگ لگ گئی میں نے کہا بیٹی زبان سنبھال کے بولو بیوقوف ہوگی تم آپ جو اوروں کو بیوقوف بناتی ہو۔ تم سمجھتی ہو ہم عقلمند ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں دو انگلیاں تو ماتھے پر رکھنی نصیب ہوتی نہیں اگلے زمانہ کے لوگ اسکو فرض سمجھتے تھے۔ کہ لڑکی سر گندھوا کر اور چوڑیاں پہنکر ضرور سلام کرے۔ اب یہ سلام قابل الزام ہیں۔ مگر مجھے ذرا یہ تو بتا دو کہ پانی کا گلاس لیکر دینے والے سے یہ کیوں کہتی ہو شکریہ پان کسی سے لیکر یہ کس لئے کہتی ہو تسلیم بیٹی۔ وہی شکریہ تو ہے جو دینوالیوں سے اس طرح لڑکیوں کو بتایا تھا یہ ان ہی کے چبائے ہوئے نوالے الٹ پلٹ رہی ہو۔ تم مجھے ایک کہتیں نہ چار سنتیں میں تو یہ کہکر چلی آئی۔ مگر اب انشاءاللہ نہ جاؤنگی سلام کرتیں دعا ہی پاتیں میرا کیا گیا اپنا کچھ کھویا۔

منہیاری شریف تھی بار ڈالی مگر جو کچھ کیا اس انسانیت اور معقولیت سے کہ باپ جو چپکا بیٹھا سن رہا تھا۔ اس نے بھی شاہدہ کی یہ حرکت پسند نہ کی اور آج عمر بھر میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس اللہ کے بندے نے بھی ایک معقول بات سوچی منہیاری چلی گئی تو بیوی سے کہا۔

انا بوا بات تو ٹھیک کہہ رہی تھی۔

بیوی۔ تم ہی دیکھو خدا معلوم کس قسم کی کمبخت طبیعت لائی ہے کہ کسی سے جھکنا نہیں آتا۔ اسی پیٹ کی بچی زاہدہ ہے۔ مگر دونوں کی طبیعت میں حالت میں عادت میں خصلت میں زمین آسمان کا فرق ہے اس کا بس چلے تو کسی غریب فقیر کو دنیا میں رہنے تک نہ دے اسکے اختیار میں ہو تو اپنی کھال کی جوتیاں تک حاجتمندوں کو پہنا دے۔

میاں۔ میں سال سال بھر سے تو س[illegible] رہا ہوں کہ شاہدہ نے اپنے اخراجات اسقدر بڑھا رکھے ہیں کہ آمدنی کافی نہیں ہوتی اور چا[illegible] سے قرض لینا پڑتا ہے اب یہ سنا ہے کہ تین ہزار روپیہ کا ایک جوڑا تیار ہوا ہے۔ [illegible] سے اس نے ادھار لیا گیا ہے کہ اگر زمین جھینپ میں

روپیہ ادا نہ ہو تو تین کے ساڑھے چار ہزار۔ ساس سسروں نے بیٹے بہو کو اسی لئے الگ کر دیا ہے بلکہ میں نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ حسن بھی بیوی کے ان گنوں سے پریشان ہو گیا ہے اور اکثر لڑائی ہوتی رہتی ہے پہلی تاریخ کو کلب کا سالانہ جلسہ ہے اس کیلئے یہ تیاریاں ہو رہی ہیں ادہر سے میں ناخوش ہی ہوں مگر حق یہ ہے کہ اس لحاظ سے تو میں اسے پسند کرتا ہوں کہ وہ آمدنی سے خرچ بڑھنے نہیں دیتی ابھو شاہد ترقی پر بدلی ہوئی ہے۔

بیوی۔ ہاں خدا کا شکر ہے پہاڑ پر تو سو روپیہ میں گئے آج ساتواں روز گئے ہوا مگر خط ہے نہ پتر وہ تو میری طرف سے ایسی غافل ہے نہیں کہہ گئی تھی پہنچتے ہی لکھونگی خبر نہیں کیا بات ہے۔ خدا خیر رکھے۔ شاہدہ کا کیا کہوں خدا ہی اسکی حالت درست کرے تو کرے میں تو شروع ہی سے سکھ رہی ہوں کہ دیکھئے یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے تم نے کبھی میری سنی ہی نہیں وہ قرض پر حافظ ہے۔ میرا یہ حال ہے کہ مر جاؤں اور قرض نہ لوں۔

میاں۔ میں کل گیا تھا تو حسن بھی موجود تھے۔ مگر چپکے چپکے اور رُکے رُکے جب وہ چلے گئے تو میں نے باتوں باتوں میں سنا دیا کہ خرچ آمدنی کے اندر رہنا چاہئے۔ مگر وہ کیا ایسی ننھی بھی فوراً سمجھ گئی اور کہنے لگی ضروری خرچ تو کوئی بھی رک نہیں سکتا منہ سے کہہ دینا آسان ہے آدمی حساب کرے تو معلوم ہو کہ کونسا خرچ فالتو ہے کپڑا نہ پہنے کھانا نہ کھائے آدمی نہ رکھے گاڑی نہ رکھے بیتی جان کے جو خرچ ہیں وہ تو دم ہی کے ساتھ ختم ہونگے مصیبت کی زندگی سے تو موت بہتر ہے جب ہاتھ میں نہ ہو تو کھانے اُٹھنے میں تو ان زندگیوں پر تعجب اور تعجب نہیں افسوس کرتی ہوں بلکہ لعنت بھیجتی ہوں جو عمر بھر مصیبتیں جھیلیں اور پاپڑ بیلیں کھائیں نہ پئیں اور جوڑ جوڑ دوسروں کے واسطے سنیں مجھ سے اگر کوئی یہ توقع رکھے تو یقیناً غلطی ہے اسیوجہ سے مسٹر حسن ناخوش ہیں لیکن انکی ناخوشی اتنی بے موقعہ ایسی بے محل اور اس قدر غلط ہے کہ میں اسکی مطلق پروا نہیں کر سکتی اور ایک میں کیا کوئی معقول بیوی بھی نہیں کر سکتی وہ ہوں یا آپ اگر کوئی یہ چاہے کہ ان جاہل بڑی بوڑھیوں کی طرح جو ٹھوک بجا کر روپیہ جوڑتی تھیں میں بھی قطعاً

اوڑھنا کھانا پینا ملنا جلنا حرام کر دوں تو عاشاو کلا میں اس زندگی سے اس گھر سے اس دنیا سے سب سے باز آئی۔ انسان دنیا میں مصیبت بھگتنے کو پیدا نہیں ہوا دنیا ہمارے واسطے جنت ہے اور جس قدر سامان مسرت ہیں یہ ہمارے لئے پیدا ہوتے ہیں بدنصیب ہیں وہ کمبخت جو اس قابل ہیں کہ ان اسباب سے فایدہ اٹھائیں مگر نہیں اٹھاتے خدا ایسے ملعونوں کی صورت نہ دکھائے اُنسے سابقہ نہ ڈالے ہیں نے مرتے دم سے صاف صاف کہدیا ہے کہ وہ اگر اپنے فرض کے ادا کرنے میں غفلت کریں گے تو نتیجہ کے ذمہ وار خود ہونگے ۔

بیگم میں تو یہ گفتگو سناٹے میں رہ گیا۔ ایک بات سرسری طور پر کہی تھی اسکے جواب میں قینچی کیطرح جو زبان چلنی شروع ہوتی ہے تو کسیطرح بند ہی نہ ہوئی۔

بیوی غور سے میاں کی باتیں سن رہی تھی اور بیچ بیچ میں ٹھنڈے سانس بھرتی جاتی تھی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ باہر سے ماما نے لاکر خط دیا جسکو دیکھکر میاں نے کہا زاہدہ کا خط ہے۔

بیوی۔ پڑھو خدا اچھی رکھے۔

میاں۔ تمہارے نام کا ہے تم ہی پڑھو۔

بیوی۔ اب تم ہی سنادو خدا کرے خیریت ہو۔

میاں نے خط کھولا اور اس طرح پڑھنا شروع کیا۔

اماں جان کیخدمت میں بہت بہت آداب

آپ سے جدا ہوکر یہاں پہنچی کس طرح بتاؤں کہ رستہ کیونکر کٹا اور دل پر کیا گذری آدھر ہی تھی اور دل آپکے پاس تھا ابھی پہاڑ ہم سے کوسوں دور تھا کہ سڑک پر ہرے ہرے تناور درخت جڑھ سے اکھڑے دکھائی دیئے خیال کیا کہ شاید آندھی آئی ہو۔ مگر ایک ہو دو ہوں ساری سڑک پر ادھر سے ادھر تک درخت ہی درخت تھے اور ایسے ایسے موٹے اور مضبوط کہ عقل دنگ رہ گئی جب ہم پہاڑ کے قریب پہنچے تو اور مصیبت نظر آئی نہ آدم زاد نہ مکانوں کا ستھراؤ ہوا پڑا ہے۔ گاڑی والے نے صاحب کل شام کو یہ خبر سنی تھی کہ پہاڑ پر بھونچال آیا اور اس زور کہ تمام پہاڑ الٹ گ

آگے بڑھے تو بیسیوں آدمی مکانوں کے نیچے دبے پڑے تھے عورتیں مرد بچے بڈھے سب ہی تھے کڑیل جوان بڈھے پھونس کچھ سسک رہے کچھ ناک رہے کیسا قیامت خیز منظر تھا جو ہم کو دیکھنا پڑا اور خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے معصوم بچے ماؤں کے کلیجہ سے چمٹے کے چمٹے رہگئے پہاڑ کے بڑے بڑے ڈھیلے اور کسی کا پاؤں دکھائی دے رہا ہے کسی کی گردن کہیں بچہ کی ٹانگ ہے تو کہیں ماں کا سر ایک موقعہ تو ایسا دیکھا کہ بیان نہیں کر سکتی ہزاروں لاکھوں من کا ایک ڈھیلا ایک عورت کی ٹانگ پر پڑا تھا تڑپ رہی تھی۔ مگر دم نہ نکلتا تھا۔ ہم کو دیکھ کر ہاتھ جوڑنے لگی کیا بتاؤں اس وقت دل کی حالت کیا تھی۔ اب تک وہ تصویر آنکھ کے سامنے ہے ہم چار آدمی تھے۔ مگر چار کیا ہزار بھی ہوتے تو اسکو سرکا نہ سکتے تھے۔ مجھ کو پاس بلایا اور کہنے لگی۔ وہ سامنے مٹی میں میرا صندوق دبا ہے گو دکھائی دے رہی ہے اسمیں دو ہزار روپیہ کا زیور ہے۔ یہ میری بچی کو دیدینا میں کیا جواب دیتی کہنے لگی پانی پلا دو۔ ہمارے ساتھ صراحی تھی میں نے پانی پلایا کوئی دو گھنٹے تک ہم وہاں کھڑے رہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے اس کا دم نکل گیا میں نے صندوق نکلوایا کھولا تو واقعی اسمیں زیور موجود تھا آگے بڑھے تو ایک محلہ میں البتہ کچھ آدمی زندہ موجود تھے۔ مگر یہ بھی مردوں سے بدتر تھے کسی کی ہڈی ٹوٹی کسی کا کولہا اترا کوئی رو رہا تھا۔ کوئی چیخ رہا آگے کے محلہ میں آدمی زیادہ بھی تھے اور زخمی بھی اتنے نہیں مگر کچھ ایسا سہم چڑھا تھا کہ بات تک نہ کر سکتے تھے گنتی کے کچھ مکان اور دیکھے مگر وہ بھی اس حال میں کہ حالت دیکھکر کلیجہ منہ کو آتا تھا مکان رہنے والوں کا اور رہنے والے مرنے والوں کا کہرام مچا رہے تھے پہلے ارادہ کیا کہ الٹے لوٹ چلیں مگر شام کے قریب جب سرکاری فوج آگئی اور ذرا اطمینان ہوا اور ہم ایک مکان میں اتر گئے۔ عشا کی نماز پڑھ رہی تھی کہ ایک عورت دیوانہ وار اندر آئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی اور کہنے لگی بیوی اپنے بچوں کا صدقہ میرے دونوں بچے دیدو میں متحیر تھی کہ کیا جواب دوں کہ وہ میرے قدموں میں گر پڑی اور کہا میرا جوان شبیر اگلے برس مجھ سے بچھڑ چکا ہے اب مجھ رانڈ دکھیاری کے یہ دونوں پھونسڑے ہیں۔ اور میری زندگی ان ہی دونوں سے ہے میری مامتا ٹھنڈی کر دو آنکھیں ان معصوموں کو دل ان صورتوں کو

ناک اِن پھولوں کو کان اُن آوازوں کو ترس رہے ہیں تڑپ رہا ہے پھڑک رہی ہے ڈھونڈھ رہے ہیں بیدے اسے بی بی میرے بچے ملادے بچوں والی میرے بچے دکھا دے۔ بیگم میرے لال میرے کلیجہ کے ٹکڑے لپٹا دے چمٹا دے میرے گلے سے میرے سینے سے میرے پورے بچے۔ میری آنکھوں کے تارے لا اپنی جوانی کا صدقہ اپنی عنایت کا طفیل میری چار سال کی کمائی میری ایک برس کی محنت! میں ہاتھ جوڑتی ہوں قدموں میں سر رکھتی ہوں۔ غریب ہوں بیکس ہوں بے وارثی ہوں ؛

اِسکی گفتگو سنکر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے میں نے اسکو سمجھایا کھانا دیا پانی دیا ذرا عقل ٹھکانے ہوئی تو معلوم ہوا کہ اسکے دو لو بچے بھی دیکر زمین کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔

خیر یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا اب آپ مجھے یہ تلایئے کہ اِس زیور کو کیا کروں۔ مردہ کی وصیت کنیا کا مال ایک ایک سے پوچھ چکی کہ کون تھی کیا تھی۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلتا اِس سہم کے آگے میں تو سب کچھ بھول گئی اسکی بچی کو کدھر ڈھونڈوں اور کہاں سے لاؤں کہ اِس بار سے سبکدوش ہوں یونہی تمام کام جہنم کے لئے ہیں یہ بیٹھے بٹھائے میرے اعمال کی اور سزا ملی آپ مولوی صاحب سے دریافت کیجئے کہ میں زیور کس کو دوں اور اگر کل کلاں کو اسکی بچی کا پتہ چل گیا تو کیا کرونگی۔ فقط اتنا تو معلوم ہوا ہے کہ مرنے والی کے میاں یہاں جانوروں کے ڈاکٹر تھے اور شاہجہان پور کے رہنے والے اچھی میری اماں جان کسی کو شاہجہانپور بھیجد یجئے۔ شاید پتہ چلے ثواب کا کام ہے آنے جانے کا کرایہ وہاں کا خرچ سب میں دونگی اگر کوئی اد یہ تکلیف گوارا کرے تو عمر بھر احسان مانونگی۔

اب یہاں اللہ کا شکر ہے کوئی کھٹکا نہیں سرکار کیطرف سے سب انتظام ہوگے مگر مصیبت ماروں کا کیا حال سناؤں برابر میں جو منشی جی بیٹھتے ہیں انکی بیوی ماں اور بہن بچے ہیں کل سات دم۔ مگر ساتوں کے ساتوں زخمی کسی میں اتنا سکت نہیں کہ اٹھکر پانی بھی ہی دونوں وقت جاکر ان کے ہاں کا سارا کام کردیتی ہوں انکے ہاں سے فارغ

کرتی ہوں اماجان میرے کیا ہاتھ پاؤں گھس جاتے ہیں خبر نہیں اللہ کو کونسی ادا پسند آجائے اور اسی بہانے مغفرت ہوجائے۔

میری دعا گنج العرش اور چھوٹی حمائل وہیں رکھی ہے یہ بھجوا دیجئے۔ ابا جان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کردیجئے۔

آپ کی لونڈی

زاہدہ

خط باپ پڑھ رہا تھا اور ماں سن رہی۔ مگر جس طرح دونوں کی طبیعت میں آسمان زمین کا فرق تھا اسی طرح حالت میں بھی۔ باپ نے ہنس ہنس کر پڑھا اور ماں نے رو رو کر سنا۔ وہ تو خط پڑھ بیوی کے آگے ڈال روتا چھوڑ ہنستا چل دیا۔ مگر یہ اٹھی وضو کیا دو نفل شکرانہ کے پڑھے کہ خیریت کا خط آیا۔ ایک دفعہ پھر کھولا اور پڑھا اور سوچنے لگی کہ شاہجہان پور کس کو بھیجوں اور میرے کہنے سے کوئی جانے کیوں لگا۔ پرائے کارن بلا وجہ بلا سبب کوئی تکلیف اٹھائے تو کیوں اور میں اذیت دوں تو کس لئے۔ چلو اماں جان سے کہوں شاید وہ کچھ انتظام کردیں۔ یہ فیصلہ کر خط ہاتھ میں لے ڈولی منگوا میکے پہنچی اور وہاں کچھ تجویز کرکرا بیٹی کو یہ خط لکھا۔

نور چشمی سلمہا۔ دعا۔ سخت تشویش اور بے حد انتظار کے بعد کل تمہارا خط پہنچا۔ تمہارے باپ نے پڑھا اور میں نے سنا۔ رنج بھی ہوا اور خوشی بھی صدمہ بھی اور اطمینان بھی۔ ان ہزارہا بندگان خدا کی کیفیت پڑھ کر جن پر خدا کا یہ عذاب نازل ہوا بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ مگر جس صداقت کے ساتھ اس مصیبت میں تم مخلوق خدا کے کام آرہی ہو اور اپنی راحتیں اپنا سکھ اپنی ضرورتیں دوسروں کے آرام انکی آسائش اور انکی خواہشوں پر قربان کر رہی ہو یہ اسلام کا خاص منشا اور مسلمان کا دین شیوہ ہے خوش نصیب ہیں وہ ماں جس کے پیٹ سے تم جیسی بچی پیدا ہوئی اور تعریف کے قابل ہے وہ باپ جس کی نسل میں ایسی لڑکیاں ظہور میں آئیں اپنے ذاتی رنج و راحت سے ہر انسان بلکہ حیوان تک متاثر ہوتا ہے مگر انسانیت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی تکلیف

زیادہ اور اپنی خوشی سے بڑھکر دوسرے کی تکلیف اور دوسرے کی خوشی سمجھے مدد دے جو
ہو اور خدمت کرے جو ہو سکے خدا کے نیک بندے اور خالق کی اچھی مخلوق وہی ہے جو بندوں کا ر
اور مخلوق کا خدمتگذار ہو تم نے اِس غضب میں اِس مصیبت میں اِس آفت میں بہت کچھ کیا لیلیا
پیدا کر لیا کیا اِن مظلوموں کی دعا اِن اپاہجوں کی زاری۔ اِن بیچاروں کی التجا خالی نہ جائے گی۔ جو
تمہارے ہاتھ سے دونو وقت کی پکائی کھا رہے ہیں انکی دعا وہ دعا ہے جس کے مقابلہ میں انکی
التجا وہ التجا ہے جس کے سامنے انکی زاری وہ زاری ہے جس کے برابر امرا کی دولت روسا کی ریاست
اور بادشاہوں کی سلطنت بھی وقعت نہیں رکھتی کئے جاؤ۔ جو کر سکتی ہو اور کرتی رہنا جو ہو سکے۔
شاہجہان پور میں نے آدمی بھیجدیا خدا کرے سراغ لگ جائے۔ معاملہ ٹیڑھا اور امانت پیچیدہ
ہے مگر جس خدا کے بھروسہ پر کام شروع کیا ہے وہی ختم کردے گا۔ والدعا۔

(۱۲)

میں اگر ایک ایک کر کے تمہاری جہالت کی بیہودگیوں کو گنواؤں تو شاید تین چار دنمیں
بھی ختم نہ ہوں لیکن موٹی موٹی باتیں اگر ماما تم بھی غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہو جائے کہ یہ عقیدہ
یہ یقین اور یہ خیال صریح غلطی اور کھلی ہوئی بے وقوفی اور علانیہ جہالت ہے کیا مذہب نے آپکو
یہی بتایا کہ مسافر سوار ہے جھاڑو نہ دو۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ شام کو دونو وقت ملتے
درخت کے نیچے کھڑی نہ ہو یا سر کھول کر نہ بیٹھو کیا مسلمانوں کا فرض ہے کہ پردیسی کے سامنے
جب وہ سفر سے آیا چاول ضرور رکھیں۔ کیا یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے کہ پانی کھڑے ہو کر پئیں
تو چالیس دن ان کا رزق اڑے گا اور ٹانگیں ہلا کر کھانے سے رزق کی برکت ختم ہو جائیگی افسوس افسوس
کیا آپ اسمیں بہت بڑی خوبی دیکھتی ہیں کہ جس عورت کے بچے مر جائیں وہ نہا کر اٹھے تو گلے نہ
ملے اس کا نیچ لگ جائیگا۔ ماما یہ کیونکر یقین آگیا کہ روٹی سے پیاز کھانا منحوس چارپائی کی پائنتی اونچی
ہونی منحوس عورت کے سفید کپڑے منحوس کس کس کو دہراؤں ماما آپ کی دنیا تو اِن لغویات سے پُر ہے
آدمی کیا ہوا خدا ہو گیا کہ سب باتیں اسی کے اختیار میں ہوگئیں بچہ کو نہلایا کالا دا

مولود شریف ہے اگر لوبان سلگا دو مردونکی روحیں آئینگی ننگے سر جھاڑو نہ دو انگلی چانا نہ کھاؤ۔

ماں مسلمان ہونیکی حیثیت سے آپکو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تعلیم جدید نے اب یہ تقویت ہم سے دور کرنی شروع کی ہے۔ اور اس قسم کی جہالت اب آپ کو اپنی بہنوں میں بہت کم نظر آئیگی آپ فرمارہی ہیں کہ میں گیلے بال نہ سوؤں۔ یعنی اسوقت کہ نہا کر اٹھی ہوں ابھی کنگھی کرلوں۔ اور وہ بھی اُسلئے کہ سیدھے بال نہیں یا نہیں مگر کسیطرح سمٹ جائیں۔ ماں اگر بال کھول کر سونا منحوس ہے اور غالباً منحوس ہی ہوگا جو آپ منع کر رہی ہیں تو ایک بات تو بتائیے یہ بیچاری فقیرنیاں تو بڑی بھاگوان ہوتی ہونگی جن کو برسوں بھی بال کھولنے کی نوبت نہیں آتی۔

بیٹی میری ہمیشہ کوشش رہی میں نے بارہا چاہا کہ آپ ان پرانے ڈھکوسلوں سے چھٹکارا پاکر ان خیالات پر آجائیں جن کی صداقت آئینہ کیطرح چمک رہی ہے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں کیا ہم معاملات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ہم ان پرانی نیکبختوں سے جن کی قوم محلہ یا اڑوس پڑوس کے دو ایک گھروں تک محدود تھی بہت زیادہ قوم کی خدمت کر رہے ہیں ہم جس طرح اس شہر کے ہر مسلمان کو عضو سمجھتے ہیں اسیطرح یہاں سے ہزاروں لاکھوں کوس کے رہنے بسنے والے مسلمان کو بھی اپنا بھائی خیال کرتے ہیں۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ہماری کوشش قوم کے واسطے کس قدر مفید ہے آپ دیکھ رہی ہیں ہماری کلب میں ہفتہ وار جلسے ہو رہے ہیں تمام کی نکبت و افلاس پر کس توجہ سے غور کیا جارہا ہے دو مدرسے جو قایم کئے گئے کس قابلیت سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں سو سے اوپر لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں یہ لڑکیاں جسوقت پڑھ لکھکر نکلیں گی آپ ہی فرمائیے کیسی مائیں اور کیسی بیویاں ہونگی ؛

ماں۔ بیٹی مجھے تم سے بحث کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی رائے پر قایم رہو میں اپنی پر مجھے تمہارے معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہ تم کو میرے تمہاری کوششیں اگر قوم کے واسطے مفید ہیں تو خوشی کی ہے میں اگر قوم کے واسطے مضر ہوں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

[illegible] یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ جہالت آپ لوگوں کو ایمان کی بات [illegible] دیتی۔

جو خیالات آپکے دماغ میں سما گئے ہیں اور جو مرض متعدی کیطرح آپکی گودوں سے دوسروں کو لگ رہے ہیں آپ انکی خرابیوں کی بھی قایل نہیں جب تک انکی بیخ کنی نہ ہماری کوششیں بار آور نہیں ہو سکتیں ؛

ما- اب یہ جہالت ختم ہو رہی ہے اور مجھ جیسی دس میں بڑی بوڑھیاں باقی ہیں- اسکے بعد قوم پوری ترقی کرلے گی ؛

بیٹی- ایسا ہوتا تو پھر کیا کہنے تھے بیشک اطمینان ہو جاتا- مگر خرابی تو یہی آکر پڑ گئی کہ آپکے زہریلے خیالات آپکے بعد بھی دنیا میں موجود رہینگے ایک میں سمجھدار تھی کہ آپکے پھندے میں نہ پھنسی- مگر دوسری بالکل آپ کا نمونہ ہے اسکے بچے ہو بہو ماموں نگے- اب فرمایئے آپکے بعد جہالت کا خاتمہ کس طرح ہوا-

ما- مایوس نہ ہو اسیطرح رفتہ رفتہ کمی ہوتی جائے گی اور وہ وقت بھی آجائے گا جب ہم جیسی جاہل عورتوں کا وجود تمہاری اسلامی دنیا میں نہ ہوگا-

بیٹی- لیکن یہ کوشش کیوں نہ ہو کہ آپ ہی اپنے خیالات تبدیل کرلیں اور سمجھ لیں کہ آپکے خیالات نے مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچایا-

ما- میں اس معاملہ میں تم سے گفتگو کرنی ہی نہیں چاہتی اور تم خواہ مخواہ سر ہوئے جاتی ہو مرنے والیاں ہو بیوقوف اور تم ہزار عقلمند وں کی عقلمند سہی بحث کی کیا ضرورت ہے -

بیٹی- اسکی تو اشد ضرورت ہے- کل کے جلسہ میں یہ ریزولیوشن پیش ہوا اور باتفاق پاس ہو گیا کہ ہر ممبر جہانتک اسکے امکان میں ہو عورتوں کے ان عقاید کو جو محض جاہلانہ ہیں اور جنکی بدولت قوم اس قدر تاراج و برباد ہو رہی ہے زایل کرنے کی کوشش کرے ایسی حالت میں میرا فرض ہے کہ میں سب سے پہلے آپ ہی کی اصلاح کروں اس میں بحث کی گنجائش نہیں ہے جس کا عذر ظاہر ہے- آپ اسپر اصرار کیوں کرتی ہیں کیا آپ اسلام کی دشمن ہیں اگر آپ انکو اچھا سمجھتی ہیں تو مجھے بھی بتایئے-

ما- اگر تم اس قابل ہوتیں اور اتنا ایمان تم میں موجود ہوتا تو رونا ہی کاہے کا تھا- یاد رکھو کہ ان میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ وہ خدا کو جتنی قدرت والا کہتی تھیں اتنا ہی سمجھتی تھیں انکا

ہر رنگ میں ہر خوشی میں اور ہر رنج میں خدا دکھائی دیتا تھا سخت سے سخت مصیبت میں بھی ان کو یہ ڈر رہتا تھا کہیں اس سے بڑی مصیبت نازل نہ ہو جائے حد سے زیادہ خوشی میں بھی یہ کھٹکا انکے دل سے رفع نہ ہوتا تھا کہ زبردست قدرت والا اِس خوشی کو رنج سے نہ بدل دے کہنے کو تو ہیں بھی اور تم بھی دونو ہی خدا کو قادر و قدیر سمجھتے ہیں لیکن ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے قول سے عمل سے بات سے چیت سے یہ ثابت کریں کہ جو سمجھتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔ ابراہیم لودی جس وقت تخت حکومت پر جلوہ گر تھا اگر یہ سمجھ لیتا کہ عزت کے ساتھ ذلت لگی ہوئی ہے اور عزت کا دینے والا ذلت بھی دے سکتا ہے تو اسکی ماں جیلخانہ سے باہر آکر بابر کے قدموں میں گری ہوئی تاریخ کو ان الفاظ سے نہ لرزا دیتی کہ میں ابراہیم کی ماں ہوں اسی یقین کا نام مذہب ہے جسکو مرنے والیاں ہر شے سے مقدم سمجھتی ہیں اور یہ اُن کی گھٹی میں ڈالا جاتا تھا کہ وہ مذہب کی وقعت اور خدا کی عظمت کو کسی حال میں ہاتھ سے نہ دیں اسواسطے ان کے لئے جو تجویزیں کیگئیں وہ مذہب کے دایرہ میں مذہب کے رنگ میں یا یوں سمجھو اس سانچے میں ڈھال کر سامنے رکھدیں میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ہم میں بہت سے نقص ہیں اور انکی اصلاح یقیناً ضروری ہے لیکن اس کیچڑ میں چند جوہر بھی ہیں جن کو تم ماند سمجھ رہی ہو اور درحقیقت وہ کلیجہ سے لگانے کے قابل ہیں یہ اصول جن پر تم معترض ہو اون توہمات اور پاؤ رتی کے ہیں تمہاری نگاہ میں اگر مذہب کی کوئی وقعت خدا کا کچھ خوف تمہارے دماغ میں اگر رتی بھر عقل ذرہ بھر عقل وہ بھر توقیر تمہارے دل میں اگر برائے نام انسانیت اور تھوڑی سی بھی مسلّم ہوتی تو ہم سمجھتیں کہ انکی اصلیت کیا اور حقیقت کیسی ہے۔

مسافر گیا ہے جھاڑو نہ دو اس سے مذہب کا کیا واسطہ مگر اسمیں جہالت کی کیا بات ہے جاتے وقت چیز بست اسباب بچھونا بیس چیزیں باہر ہوتی ہیں۔ اگر یہ خیال نہ جما دیا جاتا اور جاتے ہی جھاڑو مل جاتی تو چھوٹی بڑی چیزیں جھاڑو میں کوڑے تک فوراً پہنچ جاتیں شاید کوئی انگوٹھی چھلا تیہ۔ بالی کاغذ پتر بھی غارت ہو جاتا۔ بتاؤ یہ احتیاط کیا بری ہے چلو آگے بڑھو۔ شام کے درخت کے نیچے سر کھول کر نہ کھڑی ہو بیٹی یہ تو موٹی سی بات ہے لڑکی بالیاں شام

وقت مرگوندھتی ہیں اور جب دونو وق[illegible] یہ اسی وقت پرندے پر بیٹھتے ہیں اگر درخت پر جانور ہوتے جو زیادہ ہرے ہرے درخت پر[illegible] اور بیٹھ کر دہی تو گندھا گندھا یا سر برباد ہوا یا نہ ہوا خدا کے واسطے بتاؤ تو سہی [illegible]ت کیا ہوئی مسافر کے واسطے چاول کی جو کہتی ہو دل میں غور کرو اور خود ہی قایل ہو جاؤ۔ ا[illegible]ی رات کو مسافر اترا اور پہلے سے خبر بھی نہ تھی کہ کھانے کا انتظام ہو جاتا فرض کرو مہمان امیر ہے میزبان غریب جس کے پاس پیسہ ہے نہ وقت پر انتظام کر سکتا ہے رات آدھی ہے کچھ انتظام ہو بھی نہیں سکتا۔ میزبان کی غربت کو کس خوبصورتی سے ڈھانکا ہے کہ صرف چاول پکا کر سامنے رکھدے ایمان سے کہنا ایک معمولی سی بات نے کتنی خرابیوں کو دور کر دیا پانی کھڑے ہو کر پینے کے نقصان تو ظاہر ہیں خود طب کی رو سے ثابت ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں احتمال ہے کہ کسی رگ میں نہ چلا جائے اسیطرح پاؤں ہلا کر کھانے کی کیفیت ہے ضرورت ہے کہ آدمی اطمینان سے کھائے اور پئے تاکہ کھانا انگ لگے اور جو مقصد اصلی ہے وہ پورا ہو نہ کہ الٹا کھانا زہر اور پانی پتھر بن کر اترے۔

کاش تم کو خدا عقل دیتا اور تم سمجھتیں کہ عورت نہا کر اٹھے تو اسلئے کہ اسکے بچے مر گئے۔ یا مر گیا گلے نہ ملو کتنی معقول تجویز ہے بچونکی شرط تو برائے نام ہے بہت کم ایسی اللہ کی بندیاں ہونگی جن کا کوئی بچہ نہ مرا ہو احتیاط دونو کے واسطے ہے اور اسلئے ہر عورت ایسی حالت میں گلے ملتی ہوئی ہچکچائے گی۔ اب تم اسکی وجہ سنو عورت کے بال نہانے کے بعد خشک جلد نہیں ہوتے اور انمیں نچوڑنے کے بعد بھی پانی کے قطرے موجود رہتے ہیں اگر اس سے کوئی ملیگا یا کسیکو ملنا پڑے گا تو بیشک کپڑو نکے خراب ہونے کا احتمال ہے تم ہی دیکھو کس قابلیت سے اس ضرورت کو پورا کیا اس برائی کا انسداد کیا کہ دونو میں ایک گونا ناہموار رہتی پر بہانہ کہ ملی تم خود ہی سمجھ لو بری ہے یا نہیں پیاز کس قدر بو کی چیز ہے اس بہانہ سے اسکو پاس ہی نہ آنے دیا پاپڑ پاتی کی پائنتی خود ہی کھڑی کر کے دیکھ لو کیسی معلوم ہوتی ہے اگر اسکو منحوس کہکر رد کر دیا تو کیا گناہ کیا۔

ہاں عورت کے سفید کپڑونکی بحث ذرا ٹیڑھی ہے بیس جانتی ہوں کہ آجکل کی تعلیم یافتہ

لڑکیاں غیروں کے دیکھا دیکھی سفید کپڑوں کے شوق میں مبتلا ہیں مگر جنہوں نے سہاگ کیواسطے رنگین
لباس مخصوص کیا تھا انکو بیوہ اور سہاگن میں امتیاز کی ضرورت تھی تاکہ خدا کے حکم بیوہ کے نکاح کی
تکمیل بآسانی ہو سکے اور بیوہ عورت دیکھ سکے کہ اسکا رنڈاپا بآسانی تمیز ہو سکتا ہے ایک دوسری وجہ
تھی کہ خود اسلام عورت سے متوقع ہے کہ مردوں کی طرح ہاتھ کے ناخن سفید نہ رکھے میں تسلیم کرتی ہوں
کہ بعض مرد بھی اب سفید لباس پسند کرتے ہیں مگر کثرت ابھی ان ہی لوگوں کی ہے جو عورت کے
رنگین لباس کو سفید پر ترجیح دیتے ہیں یہ سیر بھی دیکھ لو کہ جن کی نقل میں سفید لباس پسند کیا جاتا ہے
وہ خود رنگوں کے دلدادہ ہیں۔ بچہ کے کان سے داتہ کی رسم تمہاری سمجھ میں نہ آسکی اس سے نظر گذر سے
واسطہ نہ ہی مگر اس کا مقصد صرف ہوا کا صاف کرنا ہے کہ بچہ کی اردگرد کی ہوا آدمیوں کی کثرت سے
خراب نہ ہو یہی کیفیت مولود شریف یا اور مجلسوں کی ہے کہ وہاں آدمی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہوا خراب نہ
ہونے پائے ننگے سر جھاڑو دینا فعل ہوتی نادانی ہے کہ خاک سر میں جا بیگی اور اگر سر گندھا ہوا ہے
تو اور بھی بال برباد ہو جائینگے انگلی چھوڑ کر کھانا تم کو شاید اچھا معلوم ہوتا ہو مگر میری آنکھوں کو تو زہر معلوم
ہوتا ہے اور میں اسکو بہت بڑی بد تمیزی خیال کرتی ہوں بیٹی ان باتوں پر تم لاکھ جہالت کے آوازے
کس لو مگر انکی تہہ میں تم کو کھلتے ہوئے پھول دکھائی دیں گے تم مدرسوں کی جو کہتی ہو تو بیوی جس قدر
فیض تمہارے ان مدرسوں سے جاری ہوتا ہے مرنیوالی بیویوں کے ہر گھر سے جاری تھا مشکل سے
کوئی مستقل گھر ایسا ہوتا ہوگا جہاں ایک آدھ محلہ کی غریب لڑکی پڑھنا لکھنا نہ سیکھتی ہو تم صرف
یہ اعتراض کر سکتی ہو کہ وہ تعلیم صرف کلام اللہ شریف پڑھنے کی ہوتی ہے مگر میری بچی میں تو آجکل کی تعلیم یافتہ
لڑکیوں کو بھی اس سے زیادہ نہیں دیکھتی کہ خط لکھ لیں اور پڑھ لیں تم نے نئی تعلیم پائی ہے اور
میں اس نعمت سے محروم ہوں تمہارا جی چاہے تو [illegible] سکتا ہے کہ متفق مجھ سے
دریافت کر لو پیسوں کا روپیوں کا اشرفیوں کا آٹے کا گھی کا گوشت ترکاری کا نام بھی شاید اتنا
ہی حساب زبانی نہ کر سکو گی جتنا میں کرتی ہوں اگر تم سے یہ کہوں گی کہ ذرا آیت الکرسی تو پڑھ کر سنا دو
تو بغلیں جھانکنے لگو گی تمہارا گھر جس طرح رہتا ہے اور جو نہ سلیقہ تمہارے گھر سے ٹپکتا ہے وہ

مجھے بھی معلوم ہے مجھ جاہل کے گھر سے اپنے تعلیم یافتہ گھر کا مقابلہ کر لو اور فرق کا فیصلہ تم خود ہی کر لو تمہارے ہاں ماما اگر کسی روز نہ آئے تو اسے جانے گھر میں مکھیاں بھنکتی رہیں، میرے ہاں خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے تم سے ایک آدھ ماما زیادہ ہی ہے مگر میں جب تک اپنے ہاتھ سے جھاڑو نہ دوں مجھ کو چین نہیں پڑتا تم کو شاید مہینوں بھی باورچی خانہ کے جھانکنے کا اتفاق نہ ہوتا ہوگا میں دو وقت تمہارے ابا کا سالن خود اپنے ہاتھ سے بگھارتی ہوں اور اسکو اپنا فرض سمجھتی ہوں تمہارا جس معاملہ میں جی چاہے مجھ سے بحث کر لو۔ تمہارے ابا بھی بیٹھے ہیں ان ہی پر فیصلہ رہا میری آمدنی تمہاری آمدنی سے زیادہ نہیں اور میرا جائز خرچ تمہارے جائز خرچ سے دگنا۔ مگر خدا کا شکر ہے ایک پیسہ کی قرضدار نہیں بلکہ تھوڑا بہت اللہ کا دیا وقت بیوقت کے واسطے میرے پاس نکل ہی آئے گا۔ بولئے جناب آپ بھی کچھ فرمایئے غلط کہتی ہوں یا صحیح -

(۱۳)

وقت کی پوری رو حکومت کا زبردست اثر مغربیت ہر ذی روح اور غیر ذی روح شخص اور شے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ حد یہ کہ زمین کی پیداوار ہوا کا کرہ بھی اسی رنگ میں شرابور تھا اور اسی لیے جاہل کا اثر اتنی ترقی کر گیا تھا کہ زمین سے پھول اگتا تھا تو خوشبو سے محروم اور ہوا میں طیارہ چمکتا تھا تو نغمہ سے الگ۔ تی اثر کی طرح یہ رفتار لمحہ بلمحہ ترقی کر رہی تھی۔ زاہدہ کا شوہر احسان تھا تو بہت سیدھا اور حد سے زیادہ سادہ مگر وقت کا مقابلہ کیوں کر سکتا تھا۔ آخر انسان تھا دل بھی تھا اور آنکھیں بھی دماغ بھی اور جوانی بھی عمر گذری اس طرح کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور بس سکے سو گھر سے نکلنا قسم ہے کیسے کو جاتا مگر اب جو پہاڑ پہ پہنچا اور یہ جھلا جھلی کے دیکھے کہ برف سے کٹے سے عورتیں شہر دل سے ہاتھ ہر بیٹے کوئی برقع میں کوئی ساڑھی میں کوئی گاڑی میں اور کوئی یونہی سبزہ پر ٹہلتی پھر رہی ہیں آنکھیں کھل گئیں۔ نیا نیا آیا تھا تو اول تو دو ہی ہی نہیں اور جب یہ کھل گئے تو چھانٹ چھانٹ کر اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملا ان لوگوں سے جو پرانی چال اور دقیانوسی خیال کے تھے مگر ایک جھپ ہی کہ جھوڑا چھوڑ پہاڑ کی ٹھنڈی ہوا لگی اور منظر دیکھے۔ کچھ تو لیکن

ادھر چچا جان طرہ یہ کہ کان میں آئے ترقی کے نعرے وجہ کیا اور سبب کیا کہ دنیا ترقی کرتی اور احسان نہ کرتا اس احساس کا پہلا نتیجہ اور اس کوشش کا پہلا انجام یہ تھا کہ جو بیوی اب تک لعنت اور امرت بھی وہ ذلت کا سبب اور حقارت کی وجہ معلوم ہونے لگی یہ تو نہ کر سکا اور کر سکتا بھی نہ تھا کہ ایک دم سے رسی توڑا الگ کھڑا ہو جاتا ہاں اتنا ہونے لگا کہ عشا کے بعد مر کر بھی گھر سے باہر نہ نکلنے والا آدمی ہفتہ میں دو مرتبہ اور کبھی تین مرتبہ تماشہ میں پہنچنے لگا نماز گنڈے دار ہوئی وظیفہ ختم ہوا وہ تہا اور شوری پارک مدرسہ کی حاضری مجبوری تھی۔ مگر اسی کی بدولت مل رہا تھا ورنہ اس کا بس چلتا تو اس قطعہ زمین کو جو نمونہ جنت تھا چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ کے لیے نہ چھوڑتا چاندنی رات میں جس وقت ترقی پارک کے ہر ذرہ زمین سے برآمد ہوتی تو آنکھیں روشن ہو جاتیں۔ زاہدہ لاکھ بھولی اور ہزار سیدھی تھی۔ مگر میاں کا رنگ فوراً تاڑ لیا لیکن کیا کر سکتی تھی پردیس کا معاملہ اجنبی لوگ کہتی کس سے اور پوچھتی کیا ترقی کا پہلا زیور بدظنی اور رعونت ہے احسان نے سب سے پہلے ظن مومن کی زنجیر توڑ خیر کو شر سے بدلا اور حکم دیدیا کہ بیوی گھر سے باہر نہ نکلے زاہدہ میاں کے سامنے اور اسکے حکم کے مقابلہ میں کسی شے کو وقیع نہ سمجھتی تھی حکم سر آنکھوں پر رکھا مگر ہمسائی جس کا کھانا دونو وقت جا کر پکاتی تھی۔

اس حکم سے سخت مصیبت میں پھنس گئی اور تین چار دمونیر کڑاکے کے فاقے گذرنے لگے۔ بدنصیب کے دونو کو بے رہ گئے تھے اسی حالت میں لڑکھتی لڑکاتی گھسٹتی گھسٹاتی دوپہر کی چلی چلی دیوار بیچ گھر میں تیسرے پہر کو پہنچی۔ احسان آدھی مانگ نکالے کف کے بٹن لگا رہا تھا کہ یہ آواز کان میں آئی بیٹی تیرے ہاتھ پاؤں کا صدقہ میرے ہاں آکر نہیں اپنے ہی ہاں ڈال دیا کر دو ہم روٹی کو ترس گئے ہیں بلبل بولیں کرتے پھر رہے ہیں میرے بس سوا دعا کے کیا دھرا ہے خدا خوش رکھے گا۔ الٰہی بچی دودھوں نہائے پوتوں پھلے اس پردیس میں تیری عنایت نے ہم مردوں میں جان ڈالدی اور ہم مرتوں کو بچا لیا۔ اوپر تلے اور نیچے تو میرے اپاہج بچے میرا لنگڑا شوہر میری دکھی ہوئی آتما بیگم تجھ کو دعائیں دے رہے ہیں یہ احق چاہیں کہ کہوں برابر ورنہ میں کہ مانگوں میں اس قابل نہیں کہ درخواست کروں کہ جہاں سے بچانے والی اور دنیا میں زندہ رکھنے والی اے بی بی تو ہے وہاں بھوک کی [illegible] سے

فاقوں کی اذیت سے لے بیگم چھٹکارا دلوا اور پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کر۔

احسان۔ بس دوسرے کی بھی سنو انکو اتنی فرصت کہاں۔

عورت۔ اچھا میاں خوش رہو۔

احسان خوش رہنا اور ناخوش رہنا صرف تمہارے ہی کہنے پر ہے۔

عورت اتنا سنتے ہی پھر نہ بولی اور جن قدموں سے آئی تھی ان ہی قدموں سے الٹی لوٹی احسان کپڑے پہن سگریٹ سلگا چھڑی ہاتھ میں لے سیٹی بجاتے باہر گئے۔ مگر زاہدہ کے کلیجہ پر جو چوٹ عورت کے بیان سے لگی تھی وہ اتنی گہری تھی کہ اسکی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اس نے ہمسائی کو آواز دی اور کھانا آٹا بھیجدو۔ خود نماز پڑھی اور دعا مانگی کہ الٰہی اگر بری لگی ہو تو معاف کیجیو اور احسان کو اپنے حفظ وامان میں رکھیو:۔

میاں احسان کی ترقی کی کوشش زبانی جمع خرچ نہ تھا کئی دفعہ قصد کیا کہ عملی صورت بھی اختیار کروں مگر ہمت نہ پڑی آخر ایک دن جی کڑا کر کے کہہ ہی دیا کہ چلو آج تم کو بھی تماشہ دکھا لاؤں کیا یاد کروگی:۔

احسان کی خواہش جائز تھی یا ناجائز یہ علیحدہ بحث ہے مگر سوال یہ ہے کہ بیوی بھی اسکی اہل تھی یا نہیں بہرحال بیوی کو اور نہ مرد کو اور زاہدہ جیسی بیوی کو جسکی تعلیم یہ تھی کہ شوہر مجازی خدا ہے تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا احسان لے گیا اور وہ چلی گئی۔ صبح کو جب احسان اٹھا تو بیوی سے پوچھا کہو تماشہ کی بابت کیا رائے ہے کیسا رہا۔

زاہدہ۔ رائے کیا دوں اچھا تھا۔

احسان۔ اچھا سے کام نہیں چلتا تم اسکے فایدوں پر نظر ڈالو انسانی زندگی میں جو خرابیاں اور نقایص ہیں ان کا انسداد کس خوبصورتی سے کیا گیا تھا واہ واہ برائی کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہے۔ تم نے دیکھا شراب کا نتیجہ کس قابلیت سے دکھایا کہ پھر پینے کو جی نہیں چاہتا۔

زاہدہ۔ مگر جہاں بہت سی برائیوں سے دل ہٹ سکتا ہے وہاں بعض [illegible] کی طرف

طبیعت کے راغب ہونے کا بھی اندیشہ ہے حسن و عشق کی داستان جو تمام تماشہ کی جان تھی بالکل وہی معنی رکھتی ہے جو آجکل کے ناول اور اگر اس قسم کی لغو کتابوں کا عورتوں کے ہاتھ میں دینا مضر ہے تو تماشہ بھی مفید نہیں مختصر یہ کہ مجھے تو کچھ زیادہ لطف نہیں آیا۔

احسان۔ تو کیا تم دوبارہ چلنا نہیں پسند کرتیں۔

زاہدہ۔ اگر تم حکم دو گے تو سر آنکھوں پر تعمیل کرونگی۔ مگر میری رغبت نہیں ہے۔

احسان۔ بس تو تمہارا چلنا فضول ہے۔

ان جھگڑوں کو مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا بات گذری ہوئی ایک روز احسان بیٹھا کھانا کھا رہا تھا رات کے شاید آٹھ بجے ہونگے کہ ہمسائی کی لڑکی نے آکر کہا اماں ایک پان کا ٹکڑا مانگ رہی ہیں۔ آج میاں احسان کو اپنا پرانا حکم یاد آگیا اور بیوی سے پوچھا ابھی تک تمہارا یہ لغو سلسلہ برابر جاری ہے۔

زاہدہ۔ کس قسم کا سلسلہ

احسان۔ وہی روٹی پکانے کا۔

زاہدہ۔ تمہارے منع کرنے کے بعد کیونکر ممکن تھا میں نے اسی روز سے ان کا جانا بند کر دیا اب وہ اپنا آٹا بھیجدیتی ہیں میں یہیں پکا دیتی ہوں۔

احسان۔ مگر میں تو منع کر چکا تھا۔

زاہدہ۔ تم نے جس بات کو منع کیا تھا اسکی تعمیل ہو گئی گو حکم تم نے کچھ نہیں دیا مگر تمہارے اس فقرے سے کہ انکو اتنی فرصت کہاں میں یہ سمجھ گئی تھی کہ تمہاری مرضی نہیں اسلئے میں نے جانا آنا بند کر دیا اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تمہارا یہ منشا ہے تو میں یہ بھی ختم کر دیتی۔

احسان۔ تمہارے بیان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تم اتنا تو سمجھ گئی تھیں کہ یہ سلسلہ پسند نہیں تم کو اُنکی خدمت میں کیا مصلحت دکھائی دی۔

زاہدہ۔ آیندہ یہ بھی نہ کرونگی ؛

احسان۔ ابتک جو کیا۔

زاہدہ۔ خطا ہوئی معاف کرو۔

(۱۴)

مسٹر حسن کی ذاتی آمدنی تو کچھ نہیں تھی جو کچھ لللے تللے تھے وہ باپ کی کمائی اور جایداد کے کرایہ پر۔ بیوی پہلے تو میاں کو لیکر الگ ہوئیں۔ اس کے بعد قرض شروع ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ جو کچھ گہنا پاتا اپنے پاس تھا وہ اصل اور سود میں فنا ہو بیٹھے اور بہو کا یہ انجام دیکھکر باپ اور ماں دونو رنجیدہ ہوئے ماباپ کی یہ خفگی اگر حسن کا اپنی قوت بازو کار دیبہ ہوتا تو شاید میاں بیوی کی نگاہ میں زیادہ وقعت نہ رکھتی۔ مگر اب تو مصیبت یہ آئی کہ خفگی فقط خفگی ہی تک محدود نہ رہی۔ بلکہ عمل میں بھی آگئی اور دونو نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا نتیجہ ظاہر تھا۔ خود ہوئے مفلس قرضخواہوں کا ہوا تقاضا چھکے چھوٹ گئے اب بیوی کے سامنے میاں اور میاں کے سامنے بیوی تھیں وہ اسکو گنہگار سمجھتا اور یہ اسکو حسن پر یہ مصیبت پہاڑ کی طرح گری اور اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس تغیر کا سبب اس انقلاب کی وجہ اس بربادی کا باعث بیوی اور صرف بیوی ہے ماباپ اسکی بدولت چھوٹے قرض اسکے طفیل ہوا تقاضے اسکے کارن ہوئے یہ مانا کہ ترقی یافتہ انسان تھا۔ مگر تھا تو انسان محسوس کیا جو پڑی اور سمجھا جو آئی بیوی سے بارہا نرمی سے آہستگی سے کہا بھی اور بتایا بھی کہ اب یہ پھپن نبھنے والے اور یہ ڈھنگ چلنے والے نہیں ہاتھ روکو اور دل مارو قرضخواہوں نے دم ناک میں کر رکھا ہے ایک ڈاکٹر کا خرچ وہ کر پیچھے لگی ہے کہ کسیطرح ختم ہی نہیں ہوتی صحت اگر اس قدر روپیہ خرچ کر میسر آسکتی ہے تو میری رائے میں قدرت سے زیادہ ظالم کوئی طاقت نہیں مگر پڑھا ہوا دل پڑا ہوا ایسا بیوی کی سمجھ میں آئی کیا بناک دستنا کون کمبخت حالت روز بروز ردی اور معاملہ ساعت بساعت خراب ہوتا گیا اور وہ دن بھی دیکھتے ہی دیکھتے آپہنچے کہ قرضخواہوں کا تانتا صبح سے جو شروع ہوا تو شام تک نہ ٹوٹا واقعات کی اطلاع ماباپ دونو کو ہوا دونو کے ہوش بھی ٹھیک حسن کو ماباپ نے بارہا متوجہ کیا اور وہ متوجہ ہوا۔ مگر شاہدہ کو متوجہ کرنے والا کون تھا باپ ہوتا ماں ہوتی تو لیکن تھی ہی نہیں اگر کوئی تھا تو سے دیکرایک باپ جو کہہ بھی سکتا تھا اور کہہ بھی اور شروع شروع میں دو ایک دفعہ تو

کہا بھی مگر دیکھا یہ اس اسد کی بندی نے اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا بالعقیل تو درکنار بحث پر تیار اور بگڑنے پر آمادہ ہو گئیں تو کھنی سادھ لی اور سمجھ لیا کہ جیسا کرے گی ویسا بھرے گی وقت کی بات ہے ان ہی دنوں میں خانساماں کو تنفس کا دورہ ہونا تھا۔ مگر بڈھا آدمی پرانی آنکھیں دیکھا ہوا آتا رہا اور نشستم برخاستم پکاتا رہا جب نڈھال ہونے لگا مجبوراً آنا چھوڑا۔ اب پکانے والا کوئی نہ تھا ایک وقت تو یوں کٹا کہ بہرے اور مشعلچی نے مل جلکر کچھ کرا دیا مگر وہ کھانا کیا فقط نام کھانے کا تھا گوشت ہے وہ جلا ہوا شوربا ہے وہ لسا ندا رہے چاول وہ گلنیچ بھی اور کچے بھی شاہدہ نے کئی دفعہ خط لکھے دو ایک سے زبانی بھی کہا۔ مگر بازار کی ترکاری یا گلی کا سودا تھا کہ دام بھیجے اور منگوا لیا دوسرے وقت بھی شاہدہ کو خود پکانا پڑا یہ پہلا روز پہلا موقع اور پہلی شام تھی بھلا شاہدہ کی حیثیت کہ تین تین ہنڈوں کا مصالحہ پیسیں بہرے کو دیا تو [illegible] مشعلچی سے کہا تو نمک زہر خود پیسنے بیٹھیں مگر جس کا کام اسی کو ساجھے کہنیوں تک مرچیں لگ گئیں پھر بھی کھانا ڈھنگ کا نہ پکا متواتر چار پانچ وقت یہی مصیبت رہی شاہدہ سمجھ رہی ہے کہ میں نے میاں کو مول لے لیا اور وہ احسان کیا عمر بھر کان نہ ہلا سکے دونو وقت اس گرمی میں کہ آگ کی طرف دیکھا نہ جائے کھانا پکا رہی ہوں حسن خیال کر رہا ہے کہ ایسی عورت بھی کس کام کی جس کو کھانا تک پکانا نہ آیا ہو شاہدہ جلی ہوئی حسن بھنا ہوا دلوں میں غبار دونو کے بھرے ہوئے وقت کی دیر اور بحث کی ضرورت تھی کیفیت اس وقت دونو کی یہ تھی کہ پھوڑا ایسا پکا ہوا تھا نشتر دیا اور پھوٹا۔ شاید چھٹواں روز تھا کہ حسن کھانا کھانے بیٹھا شوربے کا پہلا ہی چمچہ لیا کہ بھکرا اندر نے چمچہ اور شوربا دونو اُلٹ دیئے چادروں پر جھکا تو پیچھے کباب کو چکھا تو پھیکا کہنے لگا یہ پانچ روز سے متواتر فاقے پڑ رہے ہیں اگر باورچی بیمار پڑ گیا تو اب بھوکا ہی مروں۔

شاہدہ۔ باورچی کی بیماری کی جس قدر میں ذمہ دار ہوں اسیقدر تم بھی ہو کے اگر تم ہو تو میں بھی ہاں افسوس ہے تمہاری طبیعت پر اور حد سے زیادہ افسوس تمہاری قدردانی پر کہ آج پانچ روز سے جو اس قدر سخت مصیبت اٹھا کر محض تمہارے واسطے چولھے کے آگے مر رہی ہوں بجائے شکر کرنے کے اور الٹے شکایت کرتے ہو۔

حسن۔ تم کیسی لغو باتیں کیا کرتی ہو یہ تمہارا فرض ہے کسی پر احسان نہیں ہیں تمہاری ضرورتیں پوری کرتا ہوں روپیہ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں کیا تم پر احسان ہے۔ اسی طرح اگر تم کھانے کا انتظام کرو یا خود پکاؤ تو کسی سے کیا واسطہ تمہارا فرض ہے اور ہونا چاہیئے۔

شاہدہ۔ تو کیا بیویاں اسلیئے کی جاتی ہیں کہ وہ چولھے میں پھکیں اور بھاڑ میں پھنکیں ۔

حسن۔ یہ میرا مطلب نہیں ہے اگر کھانا پکانا یا پکوانا ایسی سخت مصیبت ہے تو اس سے بہت زیادہ مصیبت کے کام مرد بھی کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ عورتوں پر احسان کر رہے ہیں ۔

شاہدہ۔ تمہاری گفتگو ایسی تیز ہے کہ افسوس میں برداشت کیواسطے تیار نہیں۔

حسن۔ تمہاری حالت اس قدر خراب ہے کہ مجھ میں اب سہار کی ہمت نہیں۔

شاہدہ۔ اسکا فیصلہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے گھر خوش میں اپنے۔

حسن۔ اگر یہی بہتر فیصلہ ہے تو سر آنکھوں پر

شاہدہ۔ خیر مجھے زیادہ بحث کی ضرورت نہ فرصت۔

یہ کہکر شاہدہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرہ میں آ بیٹھی سوچنے لگی کہ چھ مہینہ سے حسن کا مزاج آسمان پر ہے میرا کہیں جانا اسے ناگوار کسی سے ملنا اسے ناگوار حد یہ ہے کہ میرا کپڑا میرا خرچ [illegible] جا کر کوڑی بھی اسے گوارا نہیں مجھے معلوم ہے کہ وہ شوہر ہے مگر خدا نہیں میں بیاہی ہوں [illegible] بیوی ہوں مگر لونڈی نہیں حسن نے اپنے دل میں سمجھا کیا ہے میں اسے وہ مزہ چکھاؤں کہ عمر بھر یاد کرے [illegible] کا کیا قصور قصور مسلمانوں کا ہے وہ بھی آخر مسلمان تھا مسلمانوں کا اصول [illegible] کہ ہر عورت لونڈی اور ہر بیوی باندی ہے جب ہم ہی اپنی حالت درست نہ کریں [illegible] کچھ طاقت رکھتے ہیں تو شکایت فضول۔ اگر آج تمام مسلمان عورتیں [illegible] زندگی کے ہر معاملہ میں مردوں کے ساتھ برابری کی حالت قائم رکھیں [illegible] کے بل نکل جاتے ہیں خیر میں اس کا علاج کرتی ہوں اور [illegible]

ایسی مثال قایم کردوں کہ مرد آیندہ ہر عورت سے بات کرتے ہوئے تھرائیں یقیناً میری موت
بہنوں کے واسطے مفید ہوگی۔ مگر مائیں اس سے حسن کا کیا بگڑے گا وہ تو چین سے اپنا گھر
اسکو عورتوں کی کیا کمی مجھ کو اپنے طبقہ سے یہ امید نہیں کہ میں تو ان کے واسطے اپنی جان گنواؤں
وہ صرف اتنا ہی انتظام کردیں کہ حسن کو بیوی نہ ملے خدا سمجھے ان کمبخت مسلمانوں سے کوئی کام
آپ کرتے ہیں نہ دوسرے کو کرنے دیتے ہیں مائیں تو یقیناً میرے ساتھ ہونگی اور حسن کو بیٹی نہیں ملے
مجھے امید ہے کہ اب کے سالانہ جلسہ میں یہ تجویز بھی منظور ہو سکتی ہے مگر بیٹی پر باپ کا بھی تو حق شرع
اسلام نے لگا دیا ہے سینکڑوں باپ شادی پر رضامند ہو جائینگے اور بل بل کرتے بیٹی و
خیر مرنے کی ضرورت نہیں مجھے زندہ رہنا اور اسکو مزہ چکھانا چاہئے یہ ناممکن ہے کہ حسن میر
زندگی میں دوسرا نکاح کر سکے۔ میں وہ مسلمان عورت نہیں کہ اس زہر کو ہنسی خوشی پی لوں
میرا اب اس کوٹھی میں رہنا کچھ ٹھیک نہیں اتنا کہکر شاہدہ نے کچھ سوچا اور یہ کہتی ہوئی اٹھ
ضرور ضرور۔ ایک چھوٹا سا تھیلا چمڑے کا ہاتھ میں اور بچہ کو ساتھ لے برقع اوڑھ گھر کی گاڑ
چھوڑ کرایہ کی گاڑی میں بیٹھ سیدھی کلب پہنچی کچھ دیر ٹھہر کر سٹیشن آئی اور ایک سہیلی سے
دوسرے درجہ میں بیٹھ احمد آباد روانہ ہوئی۔ گاڑی کا ہندوستانی محافظ دیکھ تو بہت دیر ت
تھا۔ مگر اتنا سنتے ہی۔

"ہم کو پانی کی ضرورت ہے"

بے تحاشا لپکا اور فوراً پانی لیکر حاضر ہوا شکریہ ادا ہوا ایک آدھ بات بھی ہوئی اور اب سلسلہ یہ
ہوا کہ جہاں گاڑی ٹھیرتی کسی نہ کسی بہانے کسی نہ کسی ضرورت سے آتا اور ایک آدھ بات پوچھ
چلا جاتا شاہدہ کو اس سے پہلے میموں کے ملنے کا اتفاق تو بہت ہوا تھا اور وہ ان کے خلق
بہت مداح تھی مگر آج صاحب کے اخلاق نے بھی اس سے خراج تحسین وصول کر لیا جو تھ
ٹھیکٹھاک یہیں ادا ہو رہا تھا۔

احسن کو بھی احمد آباد تک گاڑی کے ساتھ جانا تھا اور یہ معلوم کر کے کہ شکار بھی

وہیں جاتا ہے اور یہ بے وارثی اپنی سہیلی مسز نصیر یوسف کے ہاں جاتی ہے کہنے لگا آپ تو میری بہن ہیں مسز نصیر میری حقیقی بہن ہیں اب آپ کو تار دینے کی ضرورت نہیں پروانہ کیجئے میں حاضر ہوں اب شاہدہ کو پورا اطمینان ہو گیا احمد آباد پہنچ ٹرین سے اتر گاڑی میں بیٹھ ایک مکان میں جا اتریں۔

شاہدہ۔ بردر! اس گھر میں عورتیں مطلق نہیں مسز نصیر کہاں ہیں۔

بردر۔ وہ ایک شادی میں گئی ہوئی ہیں میں نے انکے بلانے کو آدمی بھیجدیا ہے۔

شاہدہ۔ اوہ! آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ تھینک یو تھینک یو بردر تھینک یو

بردر۔ نہیں نہیں مسٹر تکلیف کی کچھ بات نہیں۔

شاہدہ۔ مگر اور کوئی بھی یہاں نہ رہا سب چلے گئے۔

بردر۔ حقیقی بھتیجے کی شادی ہے وہ آجائیں تو پھر میں بھی جاؤں دو روز کی چھٹی بینے بھی اسیواسطے لی ہے آپ غسل کر لیجئے یہ سامنے غسل خانہ ہے میں باہر چلا جاتا ہوں۔

بردر باہر آکر ٹہلنے لگے دو تین گلاس پئے شاہدہ اندر جا کر نہائیں دو جوڑے ساتھ تھے کپڑے بدلے بال درست کئے اور مسز نصیر کا انتظار کرنے لگیں۔

انور محافظ کیسا ہی ہشیار مرد ہو مگر شاہدہ بھی ایسی بیوقوف عورت نہ تھی کہ آسانی سے پھندے میں پھنس جاتی۔ آٹھ بجے گاڑی سے اتری۔ جب رات کے گیارہ بج گئے اور اس نے دیکھا کہ عورتوں کا پتہ نہیں اور یہ کمبخت پیٹ پکڑے پکڑے پھر رہے ہے تو ماتھا ٹھنکا کچھ دیر ٹہلی اور سوچا گھڑی دیکھی تو بارہ بجنے والے تھے۔ اب اندکھا تا لیکر آیا تو سب بازار کا شبہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا کھانے نے شبہ کو یقین بنا دیا انور کسی ضرورت سے باہر گیا دو تین گلاس اور ڈھلنے شاہدہ نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور جھٹ دروازہ بند کر کنڈی لگالی۔ انور یہ رنگ دیکھ بہت سٹ پٹایا منت کی سماجت کی ڈرایا دھمکایا اور جب کچھ بس نہ چلا تو کہنے لگا لیجئے وہ آگئیں۔

آگئیں دروازہ کھول لیجئے۔

شاہدہ۔ انکو دروازہ تک آنے دیجئے۔

انور۔ آپ ... تو کھول لیئے۔

شاہدہ۔ ... نے تو دیجئے۔

کوئی ڈیڑھ ... تک یہ بحث ہوتی رہی جب انور بالکل ہی ناامید ہوا تو وہ بگڑ کر دو گلاس اور اور پئے اور کوٹھے پر چڑھ کر چھوٹی چھت پر آدھم سے پہنچے اب شاہدہ تھر تھر کانپ رہی تھی جس قدر منت پہلے انور نے کی اتنی بلکہ اس سے دگنی شاہدہ نے کی مگر جس طرح وہ بے سود گئی اسی طرح بیکار انور شراب کے نشہ میں چور تھا آگے بڑھا چاہتا تھا چاہتی تھی کہ ظالم نے سوتے بچہ کو گردن سے پکڑ کر اٹھا لیا روشنی دھڑا دھڑ ہو رہی تھی دیکھتی ہے تو تیز چاقو انور کے ہاتھ میں موجود ہے بچہ بے خبر پڑا سوتا تھا اس ناگہانی مصیبت سے آنکھ کھل گئی تو ظالم کے پنجہ میں تڑپ رہا تھا۔

انور۔ اگر تیرے دل میں رحم نہیں ہے تو میں اپنی جان پر کھیلتا ہوں۔ مگر سب سے پہلے تیری آنکھوں کے سامنے تیری نگاہ کے روبرو تیرے کلیجہ کے ٹکڑے کو بکرے کی طرح ذبح کر دوں گا یعنی اس معصوم کے خون سے اور تیرے کپڑے اس سے لال ہوتے ہیں۔

بچہ نے حسرت بھری نظروں سے ماں کو دیکھا گرفت نشہ کی تھی غصہ کی تھی سخت تھی معصوم آنکھیں نکلی پڑتی تھیں مگر آواز نکلتی تھی بے بس تھا مجبور تھا لاچار تھا سہم [illegible] کے سوا صرف نیم کی پتیاں اور آسمان کے تارے اس دہشت ناک منظر کو دیکھ رہے تھے عجیب وقت اور نازک حالت تھی جانتی تھی کہ مختصر سے پھول اس جفا کار کے ہاتھوں پامال ہوگا ماں کی [illegible] تھی گڑگڑاتی تھی [illegible] تھی روتی تھی [illegible] معصوم کلیجہ کے پاس [illegible] تھی۔ اور اس جھپک نے بدنصیب انور [illegible] کر لیا [illegible] تینوں بچوں میں ایک بچہ ہے وہ گھر [illegible] دیکھو [illegible] ناتھی [illegible] تقدیر پھوٹی ہوا جو اپنی [illegible] آنکھوں [illegible] [illegible] ہو گئی [illegible] اپنی نادانی کی بدولت [illegible] [illegible] گردن [illegible]

یہ دہل رہا ہے اسکا دم نکل جائے گا اس کا گلا گھٹ رہا ہے اسکی جان فنا ہو جائیگی۔

الفت۔ مگر میری حالت اس سے بدتر ہے تڑپ رہا ہوں مر رہا ہوں تیرے قدموں میں سر ہے تیرے ہاتھوں میں زندگی ہے رحم کر میں اس سے بہت زیادہ رحم کا مستحق ہوں۔

شاہدہ۔ چھوڑ دے او دغا باز چھوڑ دے چھوڑ دے او مکار چھوڑ دے دیکھ اس کی آنکھیں نکل پڑیں ؛

انور۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں تو کڑھے تو تھر ہے تو اس سے زیادہ سزا کی مستوجب ہے دیکھ کیا ہوتا ہے اور کیا ہوگا اگر یہ واقعی تیرا بچہ ہے اور تو اسکو بچانا چاہتی ہے تو یہ گھر اور اس گھر کا مالک دونو تیرے غلام ہیں تو یہاں رہ آرام کر حکومت کر خوش رہ اور خوش رہنے دے۔

شاہدہ۔ تو اس بدنصیب پر اور اس بیوقوف پر جو محض اپنے تیقے میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی اس بچہ پر جس کا باپ موجود اس عورت پر جس کا شوہر زندہ اس پر جو حریف کا بچہ اس پر جو تیس کی بیوی ہے رحم کر اور اپنی شرافت سے ظالم اپنی عنایت سے مجھکو وہ وقت نہ دکھا کہ میں دنیا سے ناشاد نامراد رخصت ہو جاؤں میں اب بھی اگر ایمان کوئی چیز ہے تو عزیزوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں میرا کلیجہ نکل رہا ہے میرا سر تیرے قدموں میں ہے اپنے قصد سے باز آ اور اس بچہ کو چھوڑ دے۔

فتنہ تیز تھا اور انور کو اپنی الجھ کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ شاہدہ پر عجیب کیفیت گذر رہی تھی مقابلہ مامتا اور عصمت کا تھا یہ کہنا مشکل ہے کہ ترقی کا نتیجہ تھا یا کیا اگر شاہدہ کے عزیز برا نہ مانیں تو ہماری رائے یہ ہے کہ صرف اس دودھ کا اثر تھا جو جاہل ماں کی گود سے پیا کہ شاہدہ نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ پھیر لیا کچ کی ایک آواز آئی جس کے ساتھ ہی آدھے سے زیادہ چاقو معصوم کے پیٹ میں تھا بچہ کے خون کا فوارہ ماں کے منہ پر آیا ایک چیخ مار کر کہتی ہوئی بچہ کو لپٹ گئی۔

"ہائے ظالم مار ڈالا"

اب انور شاہدہ کی طرف جھکا چیخی چلائی رار، پھر تنہا خلق خدا کے نیند کے مزے

لے رہی تھی کہ ہونے ایک ترقی یافتہ لڑکی کی آواز پڑوسیوں کے کان ... تی دوڑ پڑے دروازہ بند تھا توڑا اندر گھسے دیکھا او نشہ میں بدست عورت حیران بچہ مردہ حال پوچھا افسوس کیا مگر اب ہوتا کیا تھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور ایک معصوم جان ترقی کے غلط خبط پر قربان ہو گئی مقدمہ باضابطہ چالان ہوا حسن بھی بلائے گئے خسر کو ساتھ لیا اور دونو پہنچے واقعات سنے حالات دیکھے منہ نپٹ لیا اندر کو پھانسی کی سزا ہوئی فیصلہ کا ایک حصہ جو جج نے لکھا یہ تھا۔

بدنصیب ماں کی داستان جس کے سامنے اسکے کلیجہ کا ٹکڑا ذبح ہوا نہایت دردانگیز ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی کی دھن اور تعلیم کے شوق نے اسکو یہ دن دکھایا مگر ایسا کہنا علم پر وہ زبردست ظلم ہو گا جس کا وزن اس قتل سے کم نہیں مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا حکم صاف ہے اور ان کے ہاں ایسی ایسی عورتیں گذری ہیں جن کے سامنے جید سے جید عالموں کی گردنیں ہمیشہ جھکیں۔ مسلمان قوم ان مایہ ناز خواتین کی ہستی سے لبریز ہے جن کے نام بساط علم پر آفتاب و ماہتاب کیطرح چمکے اور دمکے جب وقت نے انکی حکومت کا پاسہ پلٹا وہ حاکم سے محکوم بادشاہ سے رعیت اور امیر سے فقیر ہو گئے اسوقت انکے پاس صرف ایک چیز رہگئی جو عورت کی عصمت تھی اب انکی تمام توجہ اسطرف مبذول ہوئی قانون انکے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ سزائیں جو اسلام نے ان جرائم کے واسطے مقرر کی تھیں۔ انکے دسترس سے باہر تھیں اسلئے اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ پردے کو سخت کریں اور اسطرح خواتین کو ایسے مواقع میسر نہ ہونے دیں جو اس قسم کے جرائم کے محرک ہو سکیں اسمیں شک نہیں کہ اس طرح انہوں نے عورت کو اس آزادی سے تھوڑا سا محروم کر دیا جو اسلام نے اسکو عطا کی تھی مگر اسکا معاوضہ انہوں نے دوسری صورت میں کیا اور اس کا اعزاز و احترام اور اعتبار سے بڑھا کر اس کمی کی باحسن وجوہ تلافی کر دی کچھ دوسری قوموں کے میل جول کا اثر تھا کچھ وقت کا مطالبہ اب مسلمانوں میں ایک فریق ایسا پیدا ہوا جس نے اس تجویز کو غلطی پر محمول کیا اور سمجھا کہ ہماری عورتیں جاہل ہیں انکو پڑھا لکھا کر وہی حقوق دینے چاہئیں جو عطیہ اسلام ہیں اس خیال نے یہانتک ترقی کی اب اس مقصد کیواسطے انجمنیں قایم ہیں اور اخبار کام کر رہے ہیں مگر اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصول مذہب اس فریق کے

پاس سے رخصت ہوا اور اس زبردست قربانی کے بعد بھی ان کو جو کچھ میسر آچکا وہ صرف اتنا کہ اردو کی دو چار الٹی سیدھی سطریں لکھ سکیں اسی کوشش کا نتیجہ یہ بدنصیب ماشاءاللہ بھی ہے۔

(۱۵)

ایسی ناہنجار لڑکی خدا دشمن کو بھی نہ دے سچ پوچھو تو کنبہ اور برادری کیا تمام دنیا میں ناک کٹ گئی ایسا واقعہ میں نے تو کبھی عمر بھر سنا نہیں جو خدا نے اپنی آنکھ سے دکھایا۔ میرا بس چلتا تو اس شاہدہ نامراد کو نصیر آباد ہی دفن کر دیتا۔ یہ تمام نتیجہ تمہاری غفلت کا ہے کہ تم اس سے ہمیشہ الگ رہیں اور ان کمبخت نرسوں برسوں نے اپنے رنگ پر ڈھال دیا۔

بیوی۔ اگر تمہاری یہ رائے ہے تو صحیح ہوگی میں اس کا کیا جواب دوں جس روز سے سنا ہے جو کچھ دل پر گذر رہا ہے میں ہی جانتی ہوں دنیا آنکھوں میں اندھیر ہے حرام موت نہ ہوتی تو میں تو کچھ کھا کر سو رہتی۔

میاں۔ غضب یہ ہے کہ اب بھی کمبخت کی آنکھ میں میل اور تیوری پر بل نہیں وہی کلا اور وہی زبان اگر تعلیم کا انجام یہ ہے تو یقیناً تعلیم نسواں حرام۔

بیوی۔ تعلیم کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہاں یہ کہو کہ طریقہ تعلیم مستحسن نہیں جس طرح تعلیم دینی چاہئے اس طرح نہیں ملتی اور جو ڈھنگ زہریلے ہیں ان سے کام لیا جارہا ہے نتیجہ تو یہ ہونا ہی ہے۔

میاں۔ یہ تمہاری شاگردیں کمبخت اس قدر چالاک ہیں کہ بات کرنی بھی تو مشکل ہے ذرا ان کو خاموش کرو کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا مصلحت ہے کیا تم کو استانی گری کی روٹی کھانی ہے جو یہ اپنی ساری پال رکھی ہیں۔ پڑھانے لکھانے کا نتیجہ آنکھ سے دیکھ لیا کان سے سن لیا اب تو یہ سلسلہ ختم کرو تمہارے یہاں یہ خاندانی مرض ہے۔

بیوی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی اور اب تک تم معاملہ کی تہ کو نہ پہنچے۔ اس تعلیم کا نتیجہ خراب نہیں ہوسکتا یہ اسلام کا عین منشا اور ہماری ضرورتوں کے قطعی مطابق ہے۔ لڑکیوں کو ابھی تو خاموش کر دیتی ہوں۔ مگر اس طریقہ کو قابل اعتراض سمجھنا غلطی ہے۔ مبارک۔

جہاں خدا کے مقدس الفاظ کانوں میں آئیں اور عاجز بندے اس زبردست طاقت کے سامنے جو لازوال ہے عجز کی زبان کھولیں یہ تعلیم ان کی دنیا اور دین دونوں کی فلاح کا باعث ہے۔ ان کی پیشانیاں عبودیت کے گہنوں سے انکے دل خلوص کے زیوروں سے انکی ہستیاں اسلام کے پھولوں سے روشن ہیں اور یہ وہ روشنی ہے جو کبھی فنا نہ ہوگی۔ خرابی آن کر یہ پڑی ہے کہ تمہارا وہ فریق جو تعلیم جدید کا دلدادہ ہے اصلیت پر غور نہیں کرتا تم جس بہتر سے بہتر اور اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم یافتہ لڑکی کو چاہو لا کر ان سے مقابلہ کرلو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم نسواں جائز یقیناً جائز مگر طریقہ تعلیم یہ مستحسن اور وہ مکروہ بیوی کی گفتگو ابھی پوری طرح ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ ایک لڑکی سامنے آئی اور کہا ظہر کی اذان ہو رہی ہے :

بیوی۔ تم نے دیکھا اسکی عمر مشکل سے سات برس کی ہوگی۔ مگر اس کے دل میں نماز کا شوق اس قدر کیونکر پیدا ہوا اصل میں نماز کے بعد میں ان کے سامنے کہانی کے طور پر کچھ گزشتہ واقعات بڑی بوڑھیوں کے جو میں نے دیکھے اور سنے بیان کیا کرتی ہوں اسوقت تو یہ کہانیاں ان سے نماز پڑھواتی ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ یہ عادت ان کی طبیعت میں رفتہ رفتہ اس قدر پکی ہو جائیگی کہ خواہ دنیا کی کوئی چیز بہتر سے بہتر ان سے چھوٹ جائے۔ مگر نماز نہ چھوٹے گی اگر تم کو فرصت ہو تو آؤ آج اس چھوٹے سے مکتب کا بھی تماشا دیکھو۔

لڑکیوں نے چھپا چھپ وضو کئے قرآن شریف جزدان کر الماری میں رکھے تختیاں کونے میں کھڑی کیں اور کہا استانی صاحب بی بی لوز کا حال آگے فرمایئے۔

استانی:۔ ہاں تو بیٹیو خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے جب ان کے میاں کی آنکھوں میں پانی اتر آیا اور چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے تو نوکری جاتی رہی۔ دن بھر گھر میں سر منہ اوندھائے انڈائی کھٹواتی لیئے پڑے رہتے مرد کی عزت کمائی سے ہے جب اس قابل نہ ہے تو وہ عصہ طنہ طعنہ سب جاتا رہا پچھے سر پر کھینچے ... سے اُف نہ کرتے یا وہ بندہا بند ہی کہ اِدہر انہوں نے ... منہ رکھا اور اُدھر بیوی بال ... منہ سِل گئے کس کی اتنی مجال تھی کہ سانس بھی

زور سے لیتا معلوم ہوتا تھا نادر شاہ بیٹھے ہیں یا اب یہ کیفیت ہوئی کہ لڑکے اور لڑکیاں سر پر ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں اور وہ پڑے سن رہے ہیں ساٹھ روپیہ مہینے کے نوکر رہے اور اوپر کی بھی تھوڑی بہت آمدنی تھی مگر ایسے فضول خرچ اور اتنے بے ڈھنگے کہ کسی وقت بیوقت کے واسطے کچھ رکھا ہی نہیں ایک یہ مرض تو بارہ مہینہ کا تھا کہ کبھی گھر میں خالی ہاتھ گھسے ہی نہیں فصل کی ترکاری اور موسم کا میوہ رومال میں ضرور ہوتا تھا رات کا دودھ کبھی ناغہ نہیں ہوا وہ بھی یہ نہیں کہ گھر میں پیتے کھانے سے فراغت یا دس بجے رات کے چھ پیسے والی میں بامزہ سیدھے حلوائی کی دوکان پر دو چار یار دوست اور ہیں ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہیں اور سڑک پر کھڑے دودھ اڑا رہے ہیں پی چکے تو سب نے اپنا اپنا کلھڑ پھینکا جس کی آواز زور کی ہوئی وہ ہی اپنے فن کا استاد مختصر یہ کہ اسی پچاسی روپیوں میں بیوی نور کے پلے کوئی پچاس روپیہ پڑتے ہونگے۔ پانچ بچے دو میاں بیوی ایک بڑھیا ما آٹھ دم تھے لاکھ سستا سماں اور بھلے دن تھے۔ مگر کپڑا لتا کھانا پینا جیتے دم کے ہزار خرچ تھے بچاری جس طرح ہوتا نشتم پشتم گذر کرتیں ہاں مگر جب ملتا خرچ جس وقت دیکھتیں یہ ہمیشہ کہتیں کہ خدا کے واسطے کچا ساتھ ہے۔ دو دو لڑکیاں آگے ہیں اس کھانے پینے کو کون دیکھتا ہے۔ کچھ تو آگے کی بھی سوچ کرو۔ وہ اللہ کے بندے تو ایسے کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھے کہ کبھی دھیان ہی نہ کیا نوکری گئی۔ تو کل تیرہ روز کی تنخواہ چڑھی ہوئی تھی وہ کے دن کی اب پانی اترا تو آنکھیں کھل گئیں بیوی سے کچھ بولتے تو کس منہ سے اور بچوں سے کچھ کہتے تو کس برتے پر چپکے پڑے رویا کرتے ساری رات جاگتے اور اپنی غلطی پر پچھتاتے میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ بیوی نور جب تک میاں نوکر چاکر رہے اکثر ان سے ناخوش رہیں اور انکے ان ڈھچروں کو کبھی انہوں نے پسند نہ کیا مگر میاں کا اندھا ہونا تھا کہ وہ پاؤں کی خاک ہو گئیں۔ کیا کوئی لونڈی یا ماما کیخدمت کریگی جو انہوں نے کی بیوی کی یہ اطاعت دیکھ کر میاں کا کلیجہ منہ کو آتا صبح کی نماز کا سلام پھیر دوا پینے بیٹھ جائیں ادھر میاں نے آنکھ کھولی ادھر انہوں نے کلی کو پانی دیا اور دوا پلائی جاڑوں کے

دن تھے اپنے ہاتھ سے دھوپ میں لیجاکر بٹھائیں اور اپنے ہاتھ سے اندر لے کر آئیں۔ اس اطاعت نے میاں کے دل میں ایسا گھر کیا کہ وہ ان کے پاؤں چومتے اور کہتے جنت کی حوریں بھی تم سے بہتر نہ ہونگی ایک روز کا ذکر ہے تہجد کی نماز پڑھ کر اٹھیں کہ میاں نے کروٹ لی۔ کہنے لگیں، کیا جاگ رہے ہو کچھ کام ہے۔

میاں۔ کیا جاگ رہا ہوں تقدیر کو رو رہا ہوں تھوڑا سا پانی پلادو۔

بیوی۔ کیوں رونے کی کیا بات ہے خدا کا شکر کرو کہ عزت آبرو سے گھر میں بیٹھے ہیں لو پانی پیو۔

میاں۔ میری حالت اب یہ ہو گئی ہے کہ تم سے کوئی کام لیتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے دن رات اسی فکر میں رہتا ہوں کہ کیا کروں ایک پیسہ کی آمدنی نہ رہی شاباش ہے تم کو اس طرح گزارہ کر رہی ہو۔

بیوی۔ تم کس قسم کی باتیں کیا کرتے ہو۔ مجھے شرم کس بات کی میں ہوں کس واسطے جو کچھ کر رہی ہوں یہ میرا فرض ہے روپیہ کی طرف سے تم زیادہ فکر نہ کرو میں ہمیشہ یہ کرتی تھی کہ جو روپیہ تم میرے ہاتھ میں دیتے تھے فی روپیہ ایک آنہ الگ کر دیتی تھی ایک پیسہ اللہ کے نام اور تین پیسے محفوظ۔ جب وہ پیسے روپیہ ہو جاتے تھے تو پیسے دیکر روپیہ بنوا لیتی تھی اور ڈال دیتی تھی۔ اب جو میں نے دیکھا تو خدا نے یہ برکت دی کہ سات سو روپیہ ہو گئے ببئی والے سیٹھ کی بیوی پرسوں کہہ رہی تھیں کہ تم وہ روپیہ دیدو میں بنج میں لگوا دیتی ہوں بیس روپیہ مہینے کے دینے لگے جانا اب اگر تمہاری اجازت ہو تو دیدوں نہیں تو یہ سات سو روپیہ حاضر ہیں جو تمہاری صلاح ہو وہ کروں۔

میاں۔ میرا تو منہ نہیں جو تمہاری تعریف کروں خدا تم جیسی بیویاں دنیا کو دے ببئی والا سیٹھ نہایت ایمان دار آدمی ہے۔ تم فوراً روپیہ دیدو بلا سے ہم کو تو بیس روپیہ بیس اشرفیاں ہو جائینگی۔ بیچاری بیگم یہ بیوی نور کا سلیقہ تھا کہ اسی بیس روپیہ میں انہوں نے

گھر کا خرچ بھی چلایا ایک بیٹی بھی بیاہی اور دنیا کے سب کام کاج بھی کیئے لاکھ روپیہ کی بات جو انھوں نے کی وہ یہ تھی کہ اس مفلسی میں بھی گھر کی ہوا نہ بگڑنے دی۔

(۱۶)

کچھ مدت کا مطالبہ تھا کچھ پہاڑ کی آب و ہوا کا اثر زاہدہ کا شوہر چراغ تو یوں ہی چلا تھا اب صحبت بھی ان لوگوں کی ملی جو دن رات فیشن کا کلمہ پڑھ رہے تھے آمدنی معقول تھی آنکھیں کچھ اور ڈھونڈنے لگیں مگر گھر کی حالت وہی۔ چاندنی۔ برتن۔ بھانڈا سب چیزیں نہ تھیں صدیہ ہے کہ گھر کے ساتھ گھر والی بھی آنکھوں کو ناگوار ہوئی اور جی چاہا کہ گھر بدلے گھر کی حالت بدلے اور ساتھ ہی گھر والی کی بھی تبدیلی ہو خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو تعلیم یافتہ بیویاں میسر آئی ہیں اور جو سمجھتی ہیں کہ زندگی کس طرح بسر کریں ان کی ہر ادا ان کی ہر کوشش ان کا ہر فعل ان کا ہر قول طبیعت کو خوش اور دل کو خوشحال دماغ کو تازہ اور انسان کو باغ باغ کر دیتا ہے کاش میری تقدیر میں بھی ایسی بیوی ہوتی اور میں بھی دنیا کا کوئی لطف اٹھا سکتا آخر اسی بیوی کی بہن شاہدہ ہے میں نے تو صرف چوتھی والے روز دیکھا تھا صورت شکل۔ بات چیت کپڑا لتہ گہنا پاتا سچ تو یہ ہے کہ علم کی خوشبو اس کے ہر ذرہ سے نکل رہی تھی۔ کیا خوش نصیب ہے اس کا شوہر جس کو ایسی بیوی ملی۔ ایک میں ہوں کہ سوا دقیانوسی خیالات اور جہالت کی گفتگو کے کوئی آواز ہی کان میں نہیں آتی مگر مجھے فکر کس بات کا روٹی کپڑا دیئے جاؤں کا جو مجھ پر فرض ہے اور چین سے دوسرا نکاح کروں گا۔ کیا وجہ ہے کہ میں خود تعلیم یافتہ ہو کر ایک جاہل عورت کے ساتھ اپنی زندگی برباد کروں مجھ کو خدا کی اجازت خدا کے رسول کی اجازت اور اس پر اشد ضرورت پھر نہ کرنے کا سبب۔

لڑکیوں کی کیا کمی احسان کے اس خیال کا زبان تک آنا تھا کہ خود ہی لڑکیوں کے وہ شاہ جلی ہو گئے اب یہ میاں کی عنایت سمجھو انسانیت کہو انصاف سے تعبیر کرو جو چاہے کہو کہ انہوں نے بیوی کو بھی اطلاع دیدی اور اس طرح کہا۔ تم کو معلوم ہے کہ شرع اسلام نے

مرد کو چار نکاحوں کی اجازت دی ہے میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے ساتھ میری زندگی بالکل برباد ہو رہی ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس طرح یہ زندگی غارت ہو مجبوراً میں نے کوشش کی ہے کہ ایک تعلیم یافتہ عورت سے عقد کروں اور اس طرح کمی کو پورا کروں۔ مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری ضرورت میں فرق نہ آئے گا۔

زاہدہ۔ بیشک تم کو شرع نے اجازت دی ہے اور مجھ کو اس میں دخل دینے کا مطلق حق نہیں مگر میں اپنی محبت سے مجبور ہوں اس کو آسانی سے برداشت نہ کرسکونگی تم شوق سے نکاح کرلو مگر میری رائے میں یہ مناسب ہوگا کہ تم مجھ کو چند روز کے واسطے گھر پہنچا دو۔

احسان۔ نہیں یہ مناسب نہیں ہے تم کو رفتہ رفتہ خود بخود سب باتیں گوارا ہو جائینگی۔ یہ خاطر جمع رکھو کہ تمہارے اعزاز و اکرام میں کسی قسم کا فرق نہ آئے گا۔

زاہدہ۔ یہ تو مجھے تمہاری عنایت سے امید ہے اور میں جانتی ہوں کہ تم پردیس میں بے وقعتی نہ ہونے دو گے لیکن اس وقت تو اگر تم مجھ کو پہنچا دو تو اچھا ہے۔

احسان بعض مصلحتوں کیوجہ سے میں اسکو پسند نہیں کرتا۔

زاہدہ۔ اگر تمہاری رائے میں میرا یہاں کا قیام ضروری ہے تو اچھی بات ہے مجھے عذر نہیں۔

احسان شادی کی دھن میں مست تھا اس کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ نئی بیوی کے سامنے پرانی کو دور کردے مگر ایک جھجک تھی کہ عزیز اقارب سنکر بگڑ نہ جائیں۔ اس وجہ سے اس نے بیوی کا جانا مصلحت نہ سمجھا اور یہی مناسب سمجھا کہ اس کو یہیں قید کرے شادی میں کیا باقی گھوڑے لگتے تھے۔ جگہ تجویز ہوئی تاریخ ٹھہری۔ نکاح ہوا اور نئی دلہن گھر میں آ دھمکی۔

یوں تو اس واقعہ کا ہر ٹکڑا کھلا ہوا ظلم تھا مگر وہ ظلم جس کی تلافی ناممکن تھی یہ ہوا کہ احسان نے بیوی کا تمام زیور نئی دلہن کو چڑھا دیا اندیشہ تھا کہ یہ تجویز میاں کی منظور کرنے میں زاہدہ کو

شاید تاہل ہنگر سینگ کوک کی ٹیٹی تھی انکار کب اور تاہل کس کا خاصی اچھی طرح اور ہنسی خوشی دیدیا۔
نئی دلہن کی محبت اور دلہن بھی تعلیم یافتہ جس کے میاں احسان جویا اور آنکھیں متلاشی تھیں جس قدر بھی ہوتی کم تھی قدموں کے پیچھے آنکھیں بچھاتا اسکی زبان سے کسی بات کے نکلنے کی دیر تھی تعمیل میں دیر نہ تھی۔ اب زاہدہ کی حیثیت صرف ایک ماما کی تھی آٹھ آٹھ دن سر میں تیل ڈالنا گناہ تھا۔ البتہ نہانے کی عادت چونکہ بچپن کی تھی۔ اسلئے نہا تو ضرور روز وقت لیتی تھی۔ نہا کر اٹھی اور وہی میلے کپڑے پہن لئے احسان ہیں روپیہ ہوا بھی خرچ کرتا تو زاہدہ جیسی ماما اسکو میسر نہ آتی۔ یہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا لڑکا نہ تھا بچہ نہ تھا۔ اگر جھوٹ موٹ بھی زاہدہ سے بات کرتا ہوں تو نئی دلہن پیچ مج مجھ سے بات نہ کرے گی۔ مہینہ مہینہ بھر آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا کھانا جو نئی دلہن نکال کر دیتی۔ کپڑا جو وہ اپنے ہاتھ سے بنا دیتی اسی کو سر آنکھوں پر رکھتی اور اُف نہ کرتی چھ مہینہ اسیطرح بسر ہوئے اور اب سردی زور سے چمکنے لگی۔

صبح کے وقت ایک روز احسان اچھا بھلا تھا۔ ہاتھ منہ دھو مدرسہ گیا مگر چار بجے کی بجائے ایک ہی بجے آگیا اور آیا اس طرح کہ بخار میں لوتھ تھا شام کو خفیف سی سینہ میں کسک معلوم ہوئی ڈاکٹر کو بلایا اُسنے نمونیا تجویز کیا۔ صبح کو حالت خراب اور شام کو اتنی خراب تھی کہ بات تک ٹھیک نہ کر سکتا تھا۔ رات کو پھر ڈاکٹر بلایا تو اس نے کہا طاعون کا بخار معلوم ہوتا ہے۔ اب تعلیم یافتہ بی بی کا کیا کام تھا مرض متعدی میں ٹھہر کر خود مرض میں کیوں گرفتار ہوتیں اسیوقت برقع اوڑھ سیدھی ہوئیں۔

زاہدہ بیچاری جاہل ٹھوٹ وہ مرض متعدی کو کیا سمجھتی۔ رات رات بھر میاں کی پائینتی نہ چھوڑتی۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ احسان بے خبر پڑا تھا پچھلا پہر تھا اور پر وہ زمین کی خاموشی گھر کے کونے کونے سے ٹپک رہی تھی۔ تارے جھلما جھلما کر بے ثباتی دنیا کے نعرے لگا رہے تھے شمع ہچکی پڑ چکی تھی کہ زاہدہ کے تخیل نے اسکو ایک دوسری دنیا میں پہنچا دیا اسکو شوہر کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ سوچنے لگی کہ دنیا کی تمام خوشی زندگی کا مدار اس دم سے تھا اسکی جھڑکی

غیر کی عنایت سے اور اس کا غصہ دوسرے کے پیار سے بہتر جب یہ نہیں تو کچھ نہیں میری جنت ان قدموں میں اور میری دنیا اس صورت میں پوشیدہ ہے۔ میں بدنصیب تھی کہ جس کی خوشی پر راحت اور مغفرت کا انحصار تھا اس کو خوش نہ رکھ سکی بعض دفعہ کیسی کیسی سخت باتیں اور کتنے کتنے ٹیڑھے جواب دیتی تھی۔ مگر خدا عمر دراز کرے سُن کر چپ ہو جاتے تھے اب یہ کہاں اور میں کہاں۔ میری زندگی برباد اور میری عاقبت تاراج ہوئی ہیں نے کیا غضب کیا کہ قصور بھی تو معاف نہ کروالیا۔ اب تو دو گھنٹہ سے بات بھی نہیں کی دوا کیونکر پلاؤں تین بج چکے آنکھ ہی نہیں کھولی۔ ہائے یہ سانس کیسا چل رہا ہے۔

زاہدہ گھبرا کر اٹھی آنکھ سے زار قطار آنسو کی لڑیاں جاری تھیں مُنہ دیکھا اور بیساختہ یہ کہہ کر پاؤں میں گر پڑی۔

"مجھ لونڈی کا قصور معاف کرو"

آنکھیں تلووں سے مل رہی تھی احسان کی آنکھ کھلی بیوی کی محبت برچھی کی طرح کلیجہ میں گھسی اور ساتھ تعلیم یافتہ بیوی کے بھاگنے کے خیال نے تمام حوصلے پست کر دیئے شاہدہ کا اضطراب بجلی بن کر کلیجہ پر گرا فرط محبت میں دیوانہ ہو کر اٹھا اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگایا اور کہا مجھ سے غلطی ہوئی اگر زندہ رہا تو عمر بھر پاؤں دھو دھو پیوں گا۔

ابھی احسان کا شکریہ ختم نہ ہوا تھا کہ موذن کی صدائے توحید نے رات کی خاموشی کا سلسلہ توڑا زاہدہ اٹھی وضو کیا۔ نماز پڑھی اور شوہر کی صحت کے واسطے گڑگڑا کر خدائے واحد کے حضور میں روئی وقت نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ نماز ان کی دعا قبول ہوئی مختصر یہ کہ دوا نے اثر کیا اور احسان کی حالت روز بروز سنبھلنے لگی۔

ٹوٹا بانس کسیرے کے سر جب تک احسان بیمار رہا زاہدہ کی ملکیت تھا۔ مگر تندرست ہوا تھا کہ نئی دلہن مع اپنے تمام حقوق کے گھر میں آ اتریں۔ زبردست کے سبب سے بے ... ہ پھر وہی ملاماتی اور نئی دلہن اپنے گھر واپس احسان اگر ذرہ بھر عقل سے کام لیتا سمجھ... [illegible]

ہو چکا تھا اگر غور کرتا تو واقعات آنکھ کے روبرو تھے خدا کی مار اس خوشی پر اور شوق پر کہ ٹھوکر کھا کر بھی نہ سنبھلا اب نئی دلہن کو شاہدہ کی زندگی ایک کانٹا تھا جو ہر وقت دل میں کھٹک رہا تھا لاکھ وہ دب رہی تھی اور اگر گھر سے اب اسکو واسطہ تھا تو صرف چولہے سے مگر بیچاری کی ذرہ باہر وقت اور ہر موقعہ پر نئی نویلی ایک نہ ایک بات ایسی چھیڑ دیتی کہ احسان آگ بگولا ہو جاتا اور جو منہ میں آتا سنا جاتا ایک روز شام کے وقت احسان نے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی شاہدہ نے ہنسی ہنسی اور خوشی خوشی کھانا تیار کر دلہن کے آگے لاکر رکھدیا اور کونے میں بیٹھ گئی ؎

دلہن۔ بس باورچیخانہ میں جاؤ میرے سر پر کیوں چڑھ کر بیٹھ گئی۔

زاہدہ۔ ہاں بیوی چلی جاتی ہوں اس لئے بیٹھ گئی تھی کہ شاید برتن وغیرہ کیضرورت ہو تو دیدوں۔

دلہن۔ نہیں جس وقت ضرورت ہوگی میں خود بلالونگی۔

یوں تو دن رات ہی زاہدہ کے دل پر ایک سے ایک زبردست چرکا لگتا تھا مگر اسوقت کا چرکا ایسا بیٹھا کہ آنکھ میں آنسو آ گئے۔ دس بارہ آدمیوں کا کھانا ایک اکیلی پکانے والی دو بجے کی چولہے میں گھسی مغرب کے وقت نکلی اور یہ انعام ملا علیحدہ جاکر رونے لگی کہ احسان آیا اور کہا کھانا باہر کون دے گا۔

دلہن۔ لاؤ میں یہاں سے دیدونگی تم وہاں سے لے لینا

احسان۔ واہ تم کیوں دینے لگیں زاہدہ کہاں ہے۔ بتاؤ۔ جواب نہیں دیتیں۔

دلہن۔ کیا بتاؤں وہ تو ہمیشہ ناخوش رہتی ہیں۔ میرا جو کام تھا میں نے کر لیا کیا حرج ہے میں ادھر سے دیدونگی تم ادھر سے لیلو۔

احسان۔ زاہدہ! زاہدہ!

زاہدہ۔ جی فرمایئے۔

احسان۔ یہ تو نے کیا مصیبت ڈھا رکھی ہے ہر وقت گدھے پر سوار رہتے۔

زاہدہ نے احسان سے چھپانے کے واسطے دوپٹہ سے آنسو منہ پھیر کر پونچھے اور کہا آپ جو فرماتیں حاضر ہوں۔

احسان۔ یہ کھانا ادھر سے کھڑے ہو کر دیدے۔

زاہدہ۔ بہت اچھا۔

نئی دلہن نے کھانا نکالا زاہدہ نے اٹھا اٹھا کر باہر دیا۔ مگر یہ معلوم کیا ادھر کھانے میں تھا کہ ایک ایک نوالہ کھا کر سب نے ہاتھ سکیڑ لیا چاولوں میں نمک زہر سالن میں مرچیں ہلاہل اور تو اور غضب یہ کہ فیرنی میں برابر کی خاک اور کھانوں میں برابر کی راکھ احسان کے ہوش جاتے رہے۔ دعوت عداوت اور ضیافت مصیبت ہو گئی۔ بازار سے جو کچھ میسر ہوا لاکر انکے پیٹ بھر چلتا کیا۔ اور آپ آگ بگولا گھر میں آ ساری داستان دلہن کو سنائی۔

دلہن۔ میں تو اسیواسطے سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں کہ اپنا کام تھا کام ہاں ان گجراتی کنگنوں میں یہ مار ہے کہ مرچیں اندر بیٹھ جاتی ہیں اسلئے مصالحہ اس سے پسوالیا تھا کیا خبر تھی کہ یہ آفت ڈھائیگی ورنہ میں تو اس کو باورچی خانہ میں قدم بھی نہ دھرنے دیتی۔

احسان۔ یہ تو صورت دیکھ دیکھ کر جلی جاتی ہے شریف تھوڑی ہے جو شرافت کے برتاؤ کو سمجھے میں اس کمبخت کو غارت کر دیتا ہوں اور اس کے منہ ہی کو آگ لگاتا ہوں

بدنصیب بیوی کی کیا مجال تھی کہ سفاک شوہر کے حکم میں دم مار سکتی۔ جب تک جاگتا رہا صلواتیں سناتا رہا کنبہ بھر کو اکٹھا سات پشتوں [illegible] اپنا جو جی میں آئی وہ سنائی اور جو منہ میں آیا وہ بنایا۔ صبح اٹھا تو حکم دیا کہ آج تو [illegible] گی اپنا اسباب وسباب باندھ لے

زاہدہ اصیل کا پورا ذخیرہ [illegible] پاس چھوڑ حسرتوں کا وزنی اسباب ساتھ لے [illegible] گھر سے دیکھا محلہ اور محلہ کا بچہ بچہ اسکو دعاؤں کیساتھ

رخصت کر رہا تھا۔ بیوہ عورتیں اسکی بلائیں لیتی تھیں اور یتیم بچے اس کے قدموں میں لوٹتے تھے اس نے گاڑی میں بیٹھتے وقت ایک التجا بھری نظر شوہر کی صورت پر ڈالی اور کہا۔

"خدا کے واسطے میرے قصور معاف کر دینا"

اگر ایمان پاس ہوتا اگر عقل ساتھ دیتی تو مظلوم بیوی کی یہ التجا ظالم کا کلیجہ توڑ دیتی مگر دل سے نہیں دکھاوے کو نہیں فقط شوق پورا کرنے کو ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بدنصیب بخار میں جھلس رہی ہے پوچھا کیا حال ہے۔

زاہدہ۔ خدا کا شکر ہے۔

احسان۔ رونے کا سبب

زاہدہ۔ کچھ نہیں۔ ایک بات عرض کرتی ہوں۔

احسان۔ کیا ہے۔

زاہدہ۔ تمہاری تنخواہوں میں کچھ روپیہ میرے پاس بچے ہیں پیارو خدا نصیب کرے۔

احسان۔ لاؤ۔

دو سو روپیہ کی ایک پوٹلی زاہدہ نے شوہر کے ہاتھ میں دی اور رو کر کہا۔

"میری خطائیں معاف کر دینا"

احسان۔ اچھا

زاہدہ۔ خدا حافظ

زاہدہ کی گاڑی مشکل سے سو گز گئی ہو گی کہ احسان ہانپتا کانپتا دوڑا آیا اور دور سے گاڑی بان کو آواز دی کہ روکو گاڑی رک گئی احسان کا چہرہ غصہ سے سرخ تھا وہ بُرا بھلا کہتا ہوا اندر گھسا اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور کہا۔

کمبخت چور روپیہ دیکر شاہ بنی اور سارا زیور اڑا لائی۔

احسان کا غصہ اس قدر تیز تھا اور اسقدر چلا رہا تھا کہ اسکی حالت دیکھکر لوگ

سڑک پر کھڑے ہو گئے اسباب نکال نکال کر باہر پھینکنا شروع کیا اور وہاں سے وہ الفاظ استعمال کئے جن کو سنکر خلقت بھی دنگ رہ گئی زاہدہ سنجار میں بوجھو میاں کی صورت تک رہی تھی کہ احسان نے کہا بتا کمبخت نامراد زیور کہاں چرا کر رکھا۔

زاہدہ۔ مجھے معلوم نہیں میں تو دلہن کے کمرہ میں گھسی بھی نہیں۔

احسان۔ پکی چور ہے کیوں قبولنے لگی لا اس پیٹی کی کنجیاں دے۔

سنجار کا زور چوری کا الزام خلقت کا اژدہام بدنصیب کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ وقت کی بات ہے کنجیاں نہ ملیں۔ احسان کو تاب کہاں تھی اتنا کہہ کر ہاں چوری کھلتی ہے کنجیاں تو آپ ہی سے کھو دی جائینگی۔ پتھر سے قفل توڑا زیور کی پوٹلی موجود تھی نکال کر اس زور سے منہ پر ماری کہ چکرا گئی۔ گاڑی کو لوٹا کر گھر لے گیا۔ نئی دلہن دروازہ میں کھڑی تھیں دیکھتے ہی گھبرا کر پوچھا۔ کیوں ملا۔

احسان۔ ہاں نہ کیوں ملتا۔

اسباب اترا زاہدہ اندر آئی چوری کے غل غپاڑے سے محلہ کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں زاہدہ خاموش گم سم کھڑی تھی اور کہتی تھی زمین شق ہو جائے اور میں سما جاؤں کہ دلہن نے کہا خدا کا شکر ہے میں نے ابھی دیکھ لیا ورنہ وہ تو میرے اوپر تھوپ ہی چلی تھی۔

احسان۔ اری بول تو سہی جل جو گنی چور آنکھوں کا کاجل چرانے والی بھی تجھ سے زیادہ نہ ہو گی کمبخت محلہ والیاں بھی جو جو منہ میں آتا کہتی رہیں اور کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو زاہدہ پر لعن طعن نہ کر رہا ہو، ایک خاموش تصویر تھی ایک ساکت پتھر تھا ایک گم سم عورت تھی جس کی آنکھ سے متواتر آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں نگاہ اٹھتی نہ تھی بات ہوتی نہ تھی انتہائے ندامت تھی کہ دن رات دعائیں دینے والیاں پکا چور کہہ رہی تھیں دلہن بولی میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں خدا معلوم کس وقت نکال کر رکھا وہ تو [illegible] خیر کی کہ تم نے دوروپیہ مانگے [illegible] صندوق کھولنے گئی دیکھتی ہوں تو پوٹلی ندارد [illegible] اکا گھر میں

یا آفت کہو وہ کس کا تھا کمائی تو ایک ہی کی ہے تمہارا مال کس کا اور میرا کس کا۔

نئی دلہن کوشش میں تو عرصہ سے تھی کہ کسی طرح ایسا ذلیل اور ایسا رسوا کردں کہ احسان اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا کیسا اس کا نام تک نہ لے مگر موقعہ ملتا بس چلتا اب جو زاہدہ نے اسباب باندھنا شروع کیا تو چپکے سے جا پٹی میں زیور رکھ خاموش آ بیٹھی اور جب گاڑی روانہ ہوگئی تو میاں سے کہا کہ زیور لے گئیں چوری پوری اور مال سامنے تھا۔ اس وقت تک احسان کی بدولت جس قدر مصیبتیں آئیں زاہدہ نے ان کو راحت سمجھا سوکن کے کانٹے پھول کیطرح گود میں لئے اور آگ سے کھلونے کیطرح کھیلی۔ مگر اس صدمہ نے جان پر بنا دی۔ عورتیں صحن میں کھچا کھچ بھری تھیں نئی دلہن نے ستم یہ کیا کہ اسیوقت اپنے رشتہ داروں کو بھی تماشہ دیکھنے بلا لیا ہر طرف سے لعنت اور ہر کونہ سے ملامت کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ شام کے وقت احسان نے برابر میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے زاہدہ کو بھیجنے کی تجویز کی اور کہا تجھ جیسی مکار کی سزا تو یہ تھی کہ عمر بھر جیل خانہ میں سڑ سڑ کر مرتی مگر ہم شریف ہیں کہ اپنی شرافت سے کام لیکر تجھ پر رحم کرتے ہیں +

اب البتہ ایک جوش زاہدہ کے سینہ میں اٹھا اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا اس کی آواز غصہ سے بھر بھرا گئی اس نے سوکن کیطرف دیکھا اور کہا انسانی آنکھ سے پوشیدہ رہنے والا معاملہ قدرت کی اس زبردست آنکھ کے سامنے جو پہاڑ کی ڈاڑھی میں چیونٹی کے رینگنے کی اور کھو کھلے تنے میں کیڑے کی حرکت کو دیکھتی ہے شہادت صرف چشم ظاہری پر ختم نہیں جن مظلوموں کا شاہد بظاہر کوئی نہیں ان کی بے گناہی کا گواہ صرف قدرت والا ہے۔ جو اس فانی جسم کو ایک روز خاک کرے گا اور جانتا ہے جسنے زیور کی پوٹلی اس پٹی میں رکھی میں نے اگر اس پردیس میں اپنے خاندان کی آبرو اور اپنے باپ دادا کی لاج پر چوری کا الزام لگا کر زندوں کو بدنام اور مردوں کی اذیت دی تو اس کا بہتر فیصلہ کرنے والا وہی احکم الحاکمین دنیا کی کسی حالت کو ثبات اور زندگی کی کسی کیفیت کا قیام نہیں اطمینان تھا

چند روزہ مہمان ہے جس طرح موت زندگی کی تاک لگائے بیٹھی ہے اسیطرح بے اطمینانی اطمینان کے شکار میں مصروف ہے۔ دلہن بیگم جس وقت نے مجھ سے وفا نہ کی یہ تم سے بھی نہ کرے گا یہ انسانی ہستی جو شوہر کی حیثیت میں میرے سامنے کھڑی ہے اسکی بدولت میں نے بھی اس دنیا میں راج کئے مگر آج جب میرا تخت چھن گیا اور میں سلطنت کھو کر تمہاری دست نگر ہوں تو صرف یہ خیال مجھے تقویت دے رہا ہے کہ سہاگ کے زعم میں نااتفاقی کی آگ کو فراموش نہ کیا کوئی بات ایسی نہ کہی اور کوئی کام ایسا نہ کیا جو دوسروں کے واسطے کلفت اور اذیت ہو میں نے تمہارے ساتھ اگر آج تک کوئی برائی کی ہو کوئی ایذا پہنچائی ہو تو تم مجھے بتا دو میں نے کڑوے گھونٹ شہد کی طرح پئے اور زہر کا پیالہ امرت سمجھا میں اس سزا کی سزاوار نہ تھی کہ میری عزت اس بھرے مجمع میں اس طرح برباد ہو اور میری چوری کا ڈھنڈورہ پردیس کی سڑکوں پر ہوا میٹھے خیر خدا کی مقدس مرضی اور شوہر کی نیک صلاح سر آنکھوں پر جو ہو گیا۔ خوب ہوا اور جو ہوگا اچھا ہوگا لیکن وقت آئے گا کہ شاہد حقیقی کی صدا واقعات سے تاریکی کا پردہ اٹھا دیگی اور دنیا دیکھے گی کہ زاہدہ بیگناہ تھی۔

ہچکی بندھی ہوئی تھی اور وہی در و دیوار جو لعنت برسا رہے تھے زاہدہ کی صداقت کا نعرہ لگانے لگے احسان خاموش اور دلہن ششدر تھی کہ زاہدہ آگے بڑھی اور شوہر سے کہا چلو جس جگہ پہنچانا ہے خود پہنچا دو موذن اذان دے رہا ہے نماز قضا نہ ہو۔

ایک ایسی رفتار سے جس میں سر تا پا ندامت شامل تھی احسان چلا اور زاہدہ کو دوسرے گھر میں لیجا کر بٹھا دیا۔

(۱۷)

وقت نے تم کو اتنا بڑا جھکولا دیدیا اور وہ مصیبت ڈالی کہ اگر پتھر بھی ہوتا تو موم بنکر اس کے حضور میں گر پڑتا اور مان لیتا کہ قدامت کے کیسے کیسے جوہر تم نے خاک میں ملا دئے اور پھوہڑ کہہ رہی ہو وہ در حقیقت ایسی تھیں کہ فرشتے ان کے دامن پر نماز

پڑھتے۔ مگر افسوس تمہاری عقل پر اور تعجب تمہارے قیاس پر کہ بھلا وا سا لال گنوا کر بھی تمہاری عقل درست نہ ہوئی۔

شاہدہ۔ آپ ہر وقت مجھکو اسی ایک بات کا طعنہ نہ دیا کیجیے اس کو اس سے کیا واسطہ میں جو بات کہہ رہی اس کا جواب دیجیے یہ جو آئے دن کمبخت فقیر سٹے کٹے موٹے تازے گل کھلاتے رہتے ہیں کہیں کوئی صوفی بن کر زیور لے اڑے کہیں کوئی جوگی بن کر گھر موس لے گئیں یہ سب قدامت کے کرشمے نہیں تو کیا ہیں آپ ہی کا بیان ہے بارہا آپ نے کہا آپ کی والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آپ کی چچی جان کو ایک بڑھیا نے پیرانی بنکر ایسا دبوچا اور ایسا صفایا کیا کہ دانت کریدنے کو تنکا تک نہ رہا اگر وہ پڑھی لکھی ہوتیں ان بدمعاشوں کے واقعات ان کے کانوں سے نکل چکے ہوتے ان کٹنیوں کی چالاکیاں وہ اخباروں اور کتابوں میں پڑھ چکی ہوتیں تو کیوں اس کے چکمہ میں آتیں شوہر کے گاڑھے پسینے کی کمائی بچوں کا محنت سے پیدا کیا ہوا پیسہ اس طرح برباد نہ ہوتا اماجان آپ نے ان کی حالت پر تو ہمیشہ افسوس کیا مگر یہ بھی خیال فرمایا کہ آپکے چچا جان پر کیا گذری ہوگی جن کی جمع جتھا ایک جاہل عورت کی بدولت کٹنی کی نذر ہو گئی۔

ماں۔ تم ایک بات کو دوسری بات میں نہ ملایا کرو میں نے ہمیشہ تمہارے سامنے اقرار کیا ہے کہ اگلی بیویاں باوجود ان تمام خوبیوں کے جو ان کا حصہ تھیں۔ اس قدر بھولی ہوتی تھیں کہ کسی کو جھوٹا سمجھنے کا وہم بھی ان کے دل میں نہ آتا تھا اور اگر تم غور کرو تو ان کی یہ تربیت کچھ غلط نہ تھی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے بدظن نہ ہو اب اسکا ذمہ دار وقت ہے کہ کیوں ہم میں ایسے مسلمان پیدا ہونے شروع ہوئے جو اسلام سے ہزاروں کوس دور رہے اور روحانیت کو کھو کر نفسانیت میں غرق ہو گئے تمہاری تعلیم کھرے اور کھوٹے کی تمیز بتاتی ہے اور میں اسکو ضروری سمجھتی ہوں لیکن ان کے یہاں کھوٹ کا وجود ہی نہ تھا اسلئے ان کو اس شناخت کی بھی ضرورت نہ تھی اب البتہ اس تعلیم کی ضرورت ہے اور اگر برا نہ مانو تو اسکی ذمہ دار بھی ترقی ہے اگر زمانہ ترقی اس قسم کی نہ کرتا تو ہم بھی وہی سیدھے مسلمان

ہونے چاہییں تھے۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ گنڈے تعویذوں کی طرف ان کا عقیدہ پختہ تھا اور گو میں خود ان ڈھکوسلے بازیوں کی قایل نہیں ہوں مگر یہ ضرور کہونگی کہ دعا کے اثر کی میں قایل ہوں اور اس کا فیصلہ تم خود اس طرح کرو کہ اگر تم کو کوئی معمولی بات تمہارے مزاج کے خلاف کہدیتا ہے تو آگ لگ جاتی ہے اور اگر کوئی عاجزی سے گڑگڑا کر کچھ عرض کرے تو خواہ مخواہ طبیعت میں رحم پیدا ہوتا ہے اسی طرح بندہ جب خدا کے حضور میں سچے دل سے رو کر کچھ مانگتا ہے تو وہ سنتا ہے اور ضرور سنتا ہے اسی سلسلہ میں ان بزرگانِ دین کی دعا شامل ہے جو خدا کے پاک بندے سچے مسلمان اور نیک انسان ہیں یہ وجہ ہے کہ جو بی جان گنڈے تعویذوں کی طرف جھکی ہوئی تھیں اب بھی اگر کوئی ولی کامل نظر آجائے جس کا نظر آنا محال تو سب سے پہلی عورت جو ان کے ہاتھ پر بیعت کرے وہیں ہوں گی لیکن یہ موجودہ گنڈے اور تعویذ جن کی غرض صرف زر ہو کا ہے حقارت سے رد کرنیوالی بھی میں ہی ہوں تم نے انکی اس غلطی کو تو پکڑ لیا جو غلطی نہیں بلکہ ناواقفی تھی اور انکی نیت یقیناً قابلِ الزام نہیں مگر ان کی بھلائیوں پر بھی تو کبھی نظر ڈالی ہوتی وہ وہ کر گئیں کہ آج تم اور میں مر کر بھی وہ جوہر پیدا نہ کر سکیں گی دوپہر کا سنسان وقت تھا گرمی زور شور سے پڑ رہی تھی ظہر کی نماز کے واسطے لوٹا بھر کر وضو کے لئے آ رہی تھیں کہ یہ صدا کان میں آئی۔

"ایک خدا کے وہ بندے ہیں جو قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ مسلمان کو جیل خانہ پہنچواتے ہو۔"

لوٹا چھوڑ کر کوٹھے پر گئیں جا کر دیکھتی [illegible] تو آدمیوں کا ٹھٹ لگا ہے ایک ضعیف العمر انسان کو جس کی ڈاڑھی سفید [illegible] عدالت کے اہلکار گرفتار کئے کھڑے ہیں اور ایک نوعمر انسان آنکھیں نکال نکال کر [illegible] رہا ہے بڈھا خاموش تھا اسکے لب پر [illegible] کے سوا کچھ نہ تھا وہ تھم تھم کر ٹھنڈے سانس لیتا تھا اور آسمان کی طرف دیکھتا تھا مجمع میں سے

ایک شخص نے جوان آدمی سے پھر وہی الفاظ دہرا کر کہا یہ شخص جو آج تمہارا مقروض ہے۔ اس سے زیادہ بدنصیب ہستی دنیا میں مشکل سے ہوگی۔ اس کے سیاہ بال خلق اللہ کی خدمت میں سفید ہوئے ہیں ایسے سینکڑوں نہیں ہزاروں روپیہ یتیموں اور رانڈوں کو دیا۔ محتاج اس کے در سے سائل اس کے گھر سے خالی نہ گیا۔ آج سے چھ مہینہ پہلے اس کی دولت کا ڈنکہ تمام شہر میں بج رہا تھا خدا کسی کو نہ بگاڑے تم پر اسکے احسان ہیں۔ تم نے اس کا نمک کھایا اس نے یتیم خانہ سے نکال کر تمہاری پرورش کی۔ اپنے روپیہ سے تم کو اس قابل کیا کہ آج تم کاروبار کر رہے ہو کیا اسی دن کو کہ جب اس کا کاروبار بگڑ جاتے یہ برابر کے جوان بیٹے کا جنازہ کندھے پر دھوتے اور عمر بھر کی رفیق بیوی کو گھر ہی گور میں سلا کر مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو تو تم جھپٹے دعوے سے روپیہ کا مطالبہ کرو۔ اور اسکو گرفتار کر لو ضعیف العمر کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور نگاہ نیچی کر لیتا تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور نوعمر کیطرف دیکھ کر کہا۔

میں ماں کے پیٹ سے کچھ لیکر نہ آتا تھا جو کچھ پیدا کیا اسی دنیا میں اور جو کچھ ختم کیا وہ بھی اسی دنیا میں جس طرح خالی ہاتھ ماں کے پیٹ سے آیا اسیطرح خالی ہاتھ قبر میں چلا جاؤنگا۔ روپیہ میرے پاس بھی نہ رہا۔ اور تمہارے پاس بھی نہ رہے گا۔ مگر اس کا اثر اس کا نتیجہ اور اس کا طفیل میرے پاس ہے اور تمہارے پاس ہونے والا ہے۔ دنیا تماشاگاہ ہے یہاں نت نئے تماشے اور رنگ برنگ کے کھیل انسانی زندگی دکھا رہی ہے۔ جو ہاتھ اس وقت قیدی کی حیثیت سے دوسرے ہاتھ میں ہے اس میں روپیہ کی ریل پیل تھی۔ اشرفیوں کا مینہ تھا اور دولت ہاتھی یہ سب سوانگ دیکھ چکے اور اب مجبور و لاچار ہیں میرے پاس اب کچھ نہیں میری تمام ساری ملکیت کل اثاثہ ایک بدھنی ایک تسبیح اور ایک جانماز ہے یہ اگر تمہارے کام آئے شوق سے لو خدا کی دنیا وسیع ہے دریا کا کنارہ میری بدھنی ہاتھ کی انگلیاں تسبیح اور جنگل کی گھانس میری جانماز ہوگی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے تم سے یا کسی سے

کبھی قرض لیا ہو۔ میں نے اس پیٹ میں بریانیاں بھی کھائیں اور اب سوکھی روٹیاں بھی کھاتا ہوں۔ مگر میں نے جب سے میرا کام بگڑا میری بات گئی آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا جو اس وقت قیصے ہیں اسکو مخر ہے کہ سوا اس خدا کے جس کے سامنے پانچ وقت اٹھتا ہے ہاتھ کسی کے آگے دراز نہ ہوا میں نواڑی پلنگوں پر سویا اور آج ان کی چارپائی مجھ کو میسر نہیں میں خس خانوں میں رہا۔ اور اب ٹوٹی جھونپڑی بھی میری ملکیت نہیں میں ایک جوان بیٹے کا باپ اور ایک مسلمان عورت کا شوہر رہا۔ مگر اب نہیں ہوں میری آنکھوں نے عیش کے جلسے دیکھے۔ اطمینان کی گھڑیاں دیکھیں اور انہیں آنکھوں نے بیٹے کا مردہ دیکھا بیوی کی لاش دیکھی لیکن خدا کی مرضی پر راضی ہوں اور اس کے حکم پر خوش ہوں جس طرح فرحت میں شاکر رہا۔ اسیطرح مصیبت میں صابر ہوں مجھکو تمہارے دعوے کی خبر نہیں تمہارے مطالبہ کا علم نہیں تم نے اصرار کیا۔ درخواست کی مجبور کیا کہ دعوت میں شریک ہوں میں انکار کرتا تھا منع کرتا تھا۔ عذر کرتا تھا۔ مگر اس لیے کہ تمہاری دل شکنی نہ ہو اس واسطے کہ تم کو ناگوار نہ ہو حاضر ہو گیا تم نے میرے ساتھ دھوکہ دے کر یہ داؤ کھیلا مجھے جیل خانہ بھی غنیمت ہوگا اور میں جس جس کو یہاں یاد رکھا ہوں وہاں بھی فراموش نہ کروں گا۔ مگر بزرگ ہوں نصیحت کرتا ہوں سنو اور یاد رکھو دنیا فانی ہے یہ عمر ہمیشہ اور یہ وقت سدا رہنے والا نہیں کام وہ کرو کہ نام نیک ہو اور جب یہ عمر ڈھل جائے یہ رنگ بگڑ جائے تو پچھتانا نہ پڑے۔

میں مفلس ہوں میرے پاس روپیہ پیسہ کچھ نہیں۔ اسی جوڑے کے سوا جو بدن پر ہے اور دوسرا دھوبی کے یہاں میرے پاس کپڑا بھی نہیں چلو لے چلو۔ جہاں لے چلنا ہے۔ اور پہنچا دو جس جگہ چاہتے ہو۔ ڈیڑھ سو روپیہ دیکر مجھے چھڑانے والے قبروں میں آرام کر رہے ہیں چلو بسم اللہ کرو۔

خلقت کی آنکھ سے آنسو جاری تھے کہ چچی جان پہنچے آئیں انہوں نے ڈیڑھ سو روپیہ نکالے اور چچا سے تمام واقعہ بیان کیا۔ چچا جان کے کلیجہ پر بھی چوٹ لگی وہ روپیہ لیکر

باہر آئے اور انہوں نے وہ روپیہ پیش کیا اور کہا یہ میری بیوی کیطرف سے جو کوٹھے پر آپکی تقریر سن رہی تھی یہ ناچیز رقم قبول فرمایئے اور قرض میں ادا کر دیجئے ضعیف العمر کی آنکھ اب خشک ہو چکی تھی۔ انہوں نے روپیہ کے لینے سے انکار کیا اور کہا میں مرد ہوں مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی تکلیف کا بار ایک عورت پر ڈالوں۔ مگر جب چچا جان نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے روپیہ لیکر اس جوان کو دیدیا اور ایک چیخ مار کر یہ کہتے ہوئے گر پڑے۔

"جس دنیا میں بیگناہوں کو قید کرا دینے والے مرد موجود ہیں وہاں
روپیہ دیکر آزاد کرا دینے والی مسلمان عورت خدا تجھ کو دین و دنیا
میں خوش رکھے" ؛

بات گئی گذری ہوئی معاملہ ختم ہو گیا جو واقعہ چچی جان دکھا گئیں اب تک زندہ ہے اور گو وہ لوگ نہ رہے۔ مگر دیکھنے والے ابھی تک موجود ہیں۔ اور سننے والے عرصہ تک موجود رہیں گے ؛

تم نے انکی ایک بات توڑ لی جسمیں انکی نیت بخیر تھی اور وہ بھی انہوں نے کسی لالچ یا توقع پر نہیں قرضِ حسنہ دیا تھا لیکن اس واقعہ کا خیال نہ رکھا جو ان کے دامنِ حیات پر سدا بہار کے پھول کیطرح کھل رہا ہے ؛

(۱۸)

یہ آخر کیا مصیبت ہے جو آج پانچ روز سے ڈاک بٹھا رکھی ہے۔ صبح ہے تو شام ہے تو آخر ایسا کیا ضروری کام ہے کہ گھر میں بیٹھنے کا حکم ہی نہیں کہو کیا کام ہے کیوں بلا رہی ہو۔

زاہدہ۔ اگر فرصت ہو تو تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ مجھے ایک ضروری بات دریافت کرنی ہے ؛

احسان۔ مجھے مطلق فرصت نہیں ہے دلہن بیگم آج تماشہ میں جائینگی گاڑی کا انتظام کرنا ہے میں کھڑے کھڑے ہی تمہاری بات سن لونگا۔ کہو کیا کہنی ہو ؛

زاہدہ۔ پرسوں عشرہ ہے کچھ نذر نیاز کر دگے۔

احسان۔ صرف اسی واسطے بلایا تھا افسوس۔

زاہدہ۔ ہاں بلانے کی غرض تو یہ ہی تھی۔ افسوس کس بات کا۔

احسان۔ اس لغویت اور جہالت نے تم کو یہ دن دکھایا اور ابھی تک یہ حرکتیں ختم نہ ہوئیں ؛

زاہدہ۔ اس میں لغویت اور جہالت کی کیا بات ہے۔ میں دریافت کرنا چاہتی ہوں ؛

احسان۔ اس سے زیادہ لغویت اور کیا ہوگی۔ ایسی فضول رسم کس کے پاس دھری ہے کہ حاصل دین نہ دنیا تمہاری اماں کیطرح دومن حلیم رات بھر گھوٹے اور من بھر کی کھیر پکائیے۔

زاہدہ۔ میں تو صرف دریافت کرتی ہوں۔ اس میں ناخوش ہونے کی کیا بات ہے ان کا فعل انکے واسطے تمہارا تمہارے واسطے۔

احسان۔ خیر تمہاری رائے کیا ہے محرم میں کیا ہونا چاہئیے۔ کیا کوئی تعزیہ میں بھی نکالوں ؛

زاہدہ۔ نہیں یہ مطلب تو میرا نہیں ہے ہاں یہ ضرور جانتی ہوں کہ پیسہ دھیلا روکھی سوکھی جو اللہ نے دی ہو شہیدوں کے نام کی نذر نیاز ہو جاتے ؛

احسان۔ تمہاری آنکھوں پر جہالت کے ایسے پردے پڑے کہ کسیطرح اٹھ نہیں سکتے آخر تمہارے ہی جیسی عورت دلہن بیگم ہے مگر ایک تعلیم نے خیالات میں وہ شستگی پیدا کر دی ہے کہ گھر اور زندگی دونو جنت بنے ہوئے ہیں تمہارے ہی عقیدے کے موافق امام حسینؑ جو رسول اللہ کے نواسے تھے جنت میں پہنچگئے۔ اور تمہارا یقین ہے کہ سردار ہیں جوانان بہشت کے ان کی والدہ تمہاری رائے میں خاتون جنت ہیں اب تم ہی بتا دو کہ کیا

وہ لوگ تمہاری اس فضول نیاز کے محتاج ہیں اور اس کا نتیجہ سوا اس کے کہ تم چند الف ٹولوں کو کھا لے کھلا دو اور کیا ہو سکتا ہے میں نہیں جانتا کہ ان لغویات میں کیا مصلحت ہے۔ اسکی اصلی غرض صرف یہ ہے کہ مسجد کے ملّانے جنہوں نے یہ ڈھکوسلے نکالے اس بہانے تر مال اڑائیں اور نذر نیاز کے مال ان کی خدمتوں میں پہنچیں ایسا مفت کا روپیہ میرے پاس افسوس نہیں ہے ہاں تمہارے والدین کے پاس ہے تمہاری اماں جو کچھ کریں درست ہے۔

زاہدہ۔ تم بھی کیسے مزے کی باتیں کرتے ہو کیا محبت کا اظہار صرف حاجت مند کے ساتھ ہوتا ہے خوشحالی کے ساتھ نہیں ہو سکتا غریب پر آدمی اسکی حاجت رفع کر کے احسان کرتا ہے لیکن سچی محبت تو امکان بھی بہت ہوتا ہے۔ ہاروں نے کیا پانی کے گھڑے کی جو اعرابی لیکر آیا تھا وقعت نہ کی نیت دینے والے کی دیکھنی چاہئے۔ لینے والے کی حیثیت نہیں یوں تو خدا اور رسول کے نام کی بھی نیاز ہوتی ہے تو کیا خدا اور رسول ہمارے بھوکے ہیں ہم خدا کے نام پر ایک یا پانچ کو پیسہ دیتے ہیں تو کیا ہمارا یقین یہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا ہمارے ایک پیسہ کا محتاج ہے اس کی لا تعداد دولت اس کے بیشمار خزانوں اسکی لازوال سلطنت میں ایک پیسہ کوئی ہستی نہیں رکھتا لیکن خلوص سے دیا اور دل سے پیش کیا جائے تو وہی ایک پیسہ بیڑا پار کر سکتا ہے حضرت امام حسین علیہ السلام بے یار و مددگار میدان کربلا میں شہید ہو کر استقلال کا سچا نمونہ اور اسلام کی بے مثل مثال دکھا گئے وہ حضور اکرم کے نواسے خاتونِ جنت کے لختِ جگر ہیں ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا کام ہے کہ اس واقعہ کو زندہ رکھیں اور آنے والی نسلوں کے دل سے اس سانحہ کو فراموش نہ ہونے دیں اس یاد کو تازہ رکھنے کی صورت سب سے بہتر یہی ہے کہ ہم اس روز ان پاک روحوں کے کارنامے خود پڑھیں اور دوسروں کو سنائیں اس کے ساتھ ہی جو کچھ خدا نے ہم کو دیا ہے وہ ان شہیدوں کے واسطے جنہوں نے صداقت پر اپنی جانیں قربان کیں خرچ کریں اور خدا سے التجا کریں کہ وہ پاک نفس جن پر تو اپنی رحمت نازل کر رہا ہے جو ہماری نذر کے محتاج

نہیں ہمارا یہ ناچیز ہدیہ ان کی خدمت میں پہنچا دے یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم جو دیں گے وہی انکو پہنچے گا وہ اِن دنیا کے مکروہات کا کیا کریں گے جنہوں نے دنیا میں ان کی پرواہ نہ کی۔ وہ آخرت میں اس سے مستغنی ہیں۔ مگر ہمارا یہ فعل ان کی محبت و صداقت کا اعتراف ہے اور سب سے بڑا راز جو اس آڑ میں ہے وہ صرف اسقدر کہ اس طرح ہم ان غریبوں کے ساتھ سلوک کر سکیں جن کا کوئی والی وارث نہیں اور جو دو دو دانوں کو محتاج ہیں میں اس سبب کیخدمت جس کی آواز ان کان میں آتے فرض سمجھتی ہوں لیکن ہرگز ہرگز ان موٹے مشٹنڈوں کو دینا ثواب نہیں سمجھتی جو دھڑلے سے بھیک مانگتے ہیں اور مزے کرتے ہیں پردہ نشین رانڈیں ہیں یتیم بچے ہیں مسکین طالب علم ہیں محتاج اپاہج ہیں میرے خیال میں اس گروہ کا ہم پر ضرور حق ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم جسطرح نہ کسیطرح زکوٰۃ سے خیرات سے صدقات سے اِن حاجتمندوں کی اعانت کریں۔ نذر نیاز سے غرض بھی انہی حاجتمندوں کی اعانت ہے اور اسیلئے میں نے تم کو تکلیف بھی دی ؛

احسان یہ فضول باتیں ایسی ضروری نہ تھیں کہ مجھ کو اس طرح تکلیف دیجاتی آیندہ احتیاط کرنا۔ اب میں جاتا ہوں ؛

(۱۹)

جب تک اماں جان زندہ رہیں ہیں تو اس وقت تک ہمیشہ آپ کو ان سے کم نہ سمجھا اور آپ کی رائے اور قیاس کی وقعت کی اور اب بھی کہ اماجان جنت سدھاریں میں آپ ہی کو اپنی ماں سمجھتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کہنے کو نہیں واقعی آپ میری ماں ہیں اب اسوقت کوئی بڑا بوڑھا ایسا نہیں جو ہم کو نشیب و فراز سمجھائے بیوی صاحب ہیں وہ نور' علے نور یہ کچھ ہو چکا۔ مگر وہ صاحبیت اب تک ختم نہ ہوئی اماجان بھی اللہ بخشے اس کی ہمیشہ شاکی رہیں۔ میری غلطی تھی کہ ابتدا میں آپ کی رائے کو مناسب نہ سمجھا اُس کا نتیجہ بھگت لیا اب آپ اسوقت تشریف لے چلئے اور خود چلکر جو مناسب سمجھئے وہ کیجیے ؛

ساس ۔ میاں یہ تمہاری سعادت مندی ہے اور میں ہر طرح سے تمہاری تجویز پر متفق ہوں
میں تو کل ہی اسی واسطے وقت پر پہنچ گئی تھی کہ تم ناتجربہ کار ہو کسی بات میں کسر نہ رہ جائے
اللہ کا شکر ہے جو اصلی کام تھا وہ اس نے پورا کر دیا ۔ اب جو کچھ ہے وہ دنیا کے جھگڑے
اور رسم کی جوت ہے بیویوں کی بحث میں کل بھی حسن آئی ۔ تمہارے والد صاحب قبلہ
اور تمہاری ہیوی کا خیال تھا کہ پھول فضول ہیں ۔ تمہاری پھوپھی اور خالہ دونو بیبیوں کی
رائے تھی کہ ہوں اور ضرور ہوں سبھی کسی نے صلاح لی نہ میں نے خود دخل دینا مناسب سمجھا ۔

حسن ۔ جی ہاں تو ان ہی باتوں کے طے کرنے کے واسطے تو آپ کی ضرورت ہے
اور تمام فیصلہ اب آپکی رائے پر منحصر ہے ؎

حسن ساس کو لیکر گھر آیا تو عورتیں بھری تھیں اور مختلف بیویوں کی مختلف رائے تھی
کوئی کہتا تھا پھول ہوں کسی کی رائے تھی نہ ہوں بالآخر حسن کے والد نے دروازہ پر آ کر
سمدھن سے کہا کہ پھولوں کے متعلق آپکی کیا رائے ہے اور اس رسم کا مردہ سے کیا تعلق ہے ۔

سمدھن ۔ میں اس خاص رسم کا مردہ سے کوئی تعلق نہیں سمجھتی اور یہ وہ رسمیں ہیں
جنہوں نے مسلمانوں کو تاراج و برباد کر دیا ۔ اور اس کا تمام بار ان مسلمانوں کی گردن پر ہے
جنہوں نے مذہب کی آڑ میں اپنے پیٹ بھرے اور نفس کے کارن دوسروں کو تباہی
و جائز سمجھا جس دھڑے سے جس دریا دلی سے اور جس اطمینان سے یہ رسم ادا کیجاتی ہے
س کو دیکھکر رونا آتا ہے اور جس شوق سے جس رغبت سے اور جس محبت سے اڑانے والے
ں کھانوں کو اڑاتے ہیں وہ کچھ کم تعجب انگیز نہیں افسوس اس کا ہے کہ وہ مسلمان جن کا
خلوص و ہمدردی تھا ۔ صداقت سے اتنے دور ہو گئے کہ دوسرے گھروں کی آگ سے
ں نے ہاتھ تاپنے جائز سمجھے ایس جوان بیٹیوں کے لئے اور اولاد ما بابوں کے لئے
ہ ایسی بگڑ یہ سنگدل بریانی متنجن اڑا کر توندوں پر ہاتھ پھیر کر ڈکاریں لیں اس رسم کی
ہرف اتنی تھی کہ زندے مردے کو فراموش نہ کریں اور چونکہ صدمہ تازہ ہے ۔

لگی ہیں روپیہ عزیز نہ کریں خدا کی اس مخلوق کے کام آئیں جو اپنی زندگی فاقوں سے بسر کر رہی ہے اور یہ یقین کرلیں کہ جس طرح وہ محتاج بندگانِ خدا کے پیٹ بھر رہے ہیں اسی طرح خدا ان کے عزیز پر رحم کرے گا جو اب صرف خدا ہی کی اعانت کا محتاج ہے یہ محتاج و اپاہج دیکھیں جو واقعی حاجت مند ہیں وہ ہونگے جن کو سوکھی روٹیاں بھی بریانی سے زیادہ اور مزعفر سے بڑھکر ہیں نہ کہ جو گھی میں تلخی اور گوشت میں خرابی کا امتیاز کریں ؛

ایسے لوگوں کو کھانا کھانا اس قدر فضول اس قدر لغویت اور اسقدر زبردست غلطی ہے کہ خدا ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ اس طرح مسلمانوں کا جمع کرنا بھی کچھ کم نادانی نہیں شاباش ہے ان بلانے والوں پر اور صد آفرین ان آجانے والوں پر جس قوم کی اخلاقی حالت اس قدر کمزور اور ایسی قابل ملامت ہو جائے اس میں جو کچھ بھی ہو وہ خلاف توقع نہیں جو عورتیں اس ماں سے جس کا کلیجہ شیر بچھڑ کر دنیا آنکھوں میں اندھیر کر گیا یہ توقع رکھتی ہیں کہ کھانے پینے کیخاطر میں کمی نہ کرے اگر ان کے مرد جوا چوری دغا اور فریب کرتے ہیں تو تعجب کی کیا بات ہے ضرورت تو صرف اتنی تھی کہ ایک گھر میں موت ہوئی صاحب خانہ کے عزیز اقارب اپنا اپنا کھانا لیکر اسکے پاس آئیں خود بھی کھائیں اس کو بھی کھلائیں اس کا دل بہلائیں اور اس کے صدمہ کو زائل کرنے کی کوشش کریں نہ کہ یہ ستم توڑیں جو مسلمان آجکل اس رسم کی بدولت توڑتے ہیں ؛

لیکن میری بحث کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ پھولوں کی رسم قطعاً اڑادی جائے میں اسکو تسلیم کرتی ہوں کہ مذہب سے اس کا واسطہ کچھ نہ ہو لیکن یہ ہمارے وہ جوہر ہیں جن کے مٹانے سے ہم خود اگر نہ مٹیں گے تو مٹنے سے بدتر ہو جائیں گے ہم زندہ رہیں گے مگر اسلام ہم میں نہ ہوگا میرا کہنا بظاہر تعجب انگیز ہے اور میں خود اس رسم کی حمایت کر رہی ہوں جو ہماری بربادی کا پیش خیمہ ہے لیکن اسلام کے احکام ثابت کر رہے ہیں کہ ان کا منشا زیادہ تر یہ ہے کہ باہمی محبت و اخوت سے زندگی بسر کریں۔ دولتمند اپنی دولت میں مست ہو کر حاجتمند

تکلیف سے بےخبر نہ ہو جائیں یہ ہی غرض زکوۃ اور خیرات کی ہے کہ امیروں کی کمائی سے غریبوں کو بھی حصہ ملے پھولوں کی رسم کا اصل بھی رکھنے والوں نے یہ ہی رکھا ہے اور یہ ہمارا یقین ہے کہ خدا کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا جب ہم بلبلا کر اور گڑگڑا کر اس سے التجا کرینگے تو وہ ہماری دعا سنے گا اور جو کچھ ہم اسکی راہ میں دیں گے وہ قبول کریگا اور دینے والے پر جو اپنے اعمال و افعال کی جزا و سزا میں مصروف ہے رحم فرما کر اس کو عذاب سے رہائی دے گا۔

مگر کیا میں یہ کہتی ہوں کہ پھولوں کی رسم جس طرح ادا کی جارہی ہے اسیطرح ادا کیجائے تو بہ توبہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں قرض لیکر پھول کرنے اور حیثیت سے بڑھکر کھانا پکوانا گناہ سخت گناہ میری غرض صرف اتنی ہے اور جیسا کہ میں ابھی کہہ چکی ہوں کہ میت کے وارث اس وقت دل کی لگی میں تو سب کچھ کرلیں گے اور بعد میں جب صدمہ زائل ہو گیا تو پھر کون کسی کو دیتا کون کسی کو دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ماں جس طرح زندگی میں بچہ کا کھانا پکاتی تھی۔ اسیطرح جو کچھ خدا نے اسکو دیا ہے معمولی کھانا جو وہ روز کھاتی اور کھلاتی تھی اب بھی پکاتے شوہر جس طرح بیوی کی موجودگی میں کھانے پینے کا انتظام اپنی حالت کے موافق کرتا تھا اب بھی کرتے اور یہ معمولی کھانا ان رانڈوں کو جن کی گودوں میں یتیم بچے ہیں۔ ان یتیموں کو جن کا پیٹ بھرنے والا خدا کے سوائے کوئی نہیں اپنے پاس بٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھلائے اگر آپ اسطرح پھولوں کی رسم انجام دیں اور یہ اہتمام کریں کہ حاجت مندوں کے سوا دوسرے کو جو واقعی حاجت مند نہیں کھانا نہ دیا جاتے تو اس کو ضرور انجام دیجئے اور یہ رسم اس صورت میں آکر یہ حق رکھتی ہے کہ برقرار رکھی جائے افسوس اس بات کا ہے کہ اس رسم کی جس قدر مخالفت ہورہی ہے گو وہ مخالفت کے قابل ضرور ہے۔ مگر مخالفین اسکے ساتھ ہی اس کی اصلیت کو بھی پامال کررہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اخوت اسلامی کے جوہر بھی زائل ہونگے اور رفتہ رفتہ رسم کے ساتھ ہی ہمدردی کا درخشندہ جوہر بھی خاک میں ملجائیگا۔

سمدھن کی گفتگو سنکر باپ اور حسن دونو اسی صلاح پر متفق ہوئے

رسم اس طرح ادا کیجائے کہ کھانا اپنے ہاتھ سے گھر میں پکایا جائے اور حسن اپنے ہاتھ سے لیجاکر ان پردہ نشین ماماؤں کی خدمت میں پیش کرے جن پر کڑے کے زمانے گذر رہے ہیں اس رسم کا خاتمہ اسی روز ختم نہ ہو بلکہ ہمیشہ چار آدمیوں کا عمدہ کھانا دو وقت ایسے لوگوں کو دیا جائے جو واقعی حاجت مند ہیں ۔

سمدھی اور داماد سے گفتگو کرنے کے بعد ماں بیٹی کے کمرہ میں آئی جو اب علیحدہ مکان سے اٹھکر ساس کے پاس آگئی تھی دیکھتی ہے تو شاہدہ ملیک آرام کرسی پر پڑی جھول رہی ہیں اور کمرہ میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ چاندنی سکڑی ہوئی دری لتھڑی ہوئی تکئے بکھرے ہوئے کوڑا پھیلا رہا۔ کمرہ کیا کاچھی کی دوکان ہے کہ چاروں طرف ہر قسم کا اسباب موجود ہے۔ آج بیٹی نے اتنی عنایت تو ضرور کی کہ ماں کو اٹھ کر کھڑے ہو کر نہیں لیٹے ہی بیٹھے اور لیٹے ہی لیٹے آداب یا تسلیم اور سلام نہیں ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا ماں نے دعا دی ادھر ادھر دیکھا اور کہا بیٹی یہ اتنی عورتیں بھری پڑی ہیں اگر کوئی ادھر آگئی تو کیا کہے گی۔ کمرہ بھی ٹھیک نہ کیا۔

شاہدہ۔ آپ دیکھئے دونوں ماماؤں میں سے ایک بھی کمبخت آج نہ آئی۔ حالانکہ جانتی تھیں کہ کس قدر اشد ضرورت ہے ۔

ماں۔ ہاں یہ غلطی تو ماماؤں کی ضرور ہے لیکن اسی دن کو ہم خود کہتے ہیں کہ ہم کو ان تمام کاموں کی عادت ڈالنی چاہئے۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ ایک روز ماما یا نوکر بیمار پڑ جائے تو ہاتھ ہی کٹ جائیں یہ لوگ کچھ آج ہی پیدا نہیں ہوئے پہلے بھی نوکر چاکر ہوتے تھے اور ہم نے نوکروں ہی میں آنکھ کھولی مگر ہماری بڑی بوڑھیوں نے نوکروں کو اس نظر سے کم دیکھا ہی ہماری زندگی کا تمام دار و مدار ان پر ہے اور یہ ہیں تو سب کچھ اور نہیں ہے تو کچھ نہیں نہ کہ اور ان پر بھروسہ نہ کرنے کے محبت کے تعلقات ایسے ایسے تھے کہ مامائیں مرکر نوکر گھر سے نکلتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ آج کلن کی اماں روٹی پکا رہی ہے ورنہ ماماؤں کی بدلی ہوتی ہے میں نے تو کسی تعلیم یافتہ لڑکی کے پاس

برسوں کی ماما عام طور پر دیکھی نہیں آج یہ ہے تو کل وہ مرنے والیوں میں یہ کمال تھا کہ اس الفت اس محبت پر کہ اپنے عزیز کے برابر اس سعدار سے کم سمجھتی تھیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ ان پر بھول کر گھر کے کام کاج کو بھول جائیں وہ ماماؤں کو اپنا مددگار سمجھتی تھیں کام خود کرتی تھیں اور مدد ان سے لیتی تھیں میں نے اپنی ان ہی آنکھوں سے اُن جنتی بیویوں کو دیکھا ہے جن کے بچے اشرفیوں میں کھیلتے تھے اور پیسوں کی جگہ روپیہ اٹھاتے تھے گھر میں نے تو ہمیشہ یہ دیکھا کہ ماما کے آنے سے پہلے گھر چندن کر کے رکھدیا اپنے ہاتھ سے جھاڑو بہارو اپنے ہاتھ سے ٹھنڈا گرم پانی۔ ماما آتی اس نے اور کام کئے اس کے ساتھ ہی باورچیخانے میں گھسیں اور جب تک کھانا تیار ہوا لگی لپٹی رہیں۔ مامائیں ان کی مددگار ضرور تھیں۔ مگر وہ ماماؤں کی محتاج نہ تھیں تعجب ہے کہ تمہارا دل کس طرح ان کوڑے پر بیٹھنے کو چاہتا ہے۔ مجھ سے تو دم بھر بھی نہ بیٹھا جائے۔ اسی لئے تو بارہ مہینے ریختی رہتی ہو ملنے سے تم کو کام سے تم کو نفرت صحت بگڑ گی نہیں تو سنور گی۔ لاؤ جھاڑو دو میں دول یہ غضب بھی کبھی دیکھا کہ گھر میں عزیز آتی ہوئی ہوں اور بہو کے کمرہ کا یہ ہڑا۔

شاہدہ۔ مجھے تو معلوم نہیں وہ کمبخت کہاں جھاڑو رکھ جاتی ہے ؛

ملنے چاروں طرف دیکھا۔ مگر جھاڑو نہ ملی مجبور بیچاری نے لمبے جھاڑو ہی چیز پر اور ایک میلے کپڑے سے جھاڑو کا کام لیکر گھر کو ٹھیک ٹھاک کیا اور کہنے لگی کہو بیٹی تم نے ساس کو کیا بھیجا اللہ بخشے کیسی تو بیوں کی بیوی تھیں جس طرح اللہ سے کہا تھا کہ سدا بیٹی سمجھوں گی اسیطرح نباہ گئیں !! ہمیشہ سہنے نام اللہ کا۔

شاہدہ۔ تعجب ہے کہ آپ ان کی بھی تعریف کر رہی ہیں جن کو کوئی اچھا نہیں کہتا مجھ کو تو انہوں نے ہمیشہ دشمن سمجھا اور دشمن رہیں۔ آپ انکی تعریف کرتی ہیں کمال ہے میں انکا کیا پہنچاؤں گی۔ میرا بس چلے تو جو کچھ ان کو وہاں ملے وہ بھی چھین لوں ؛

ماما ممت اِن ہی کو نہیں آئی جس لے ما کا پیشٹ دیکھا وہ گور کا منہ ضرور دیکھے گا

تم کو بھی اور مجھ کو بھی ایک روز یہ ذائقہ چکھنا ہے۔ مگر کسی کو بُرا کہنے سے پہلے یہ تو سوچو کہ آخر
تم نے بھی کچھ ایسے کام کئے کہ لوگ تم کو اچھا کہیں وہ تمہاری بزرگ تھیں تمہاری کرتوتوں سے
جلتی اور گُنوں سے جھلستی تھیں اس لئے خفا رہتی تھیں تم اُن کو مرنے کے بعد بُرا کہتی ہو
کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ مردے کو بُرا کہنا اچھا نہیں اس کو بھلائی سے یاد کرو کہ وہ خدا کے
نزدیک بھی اچھا ہو جائے۔ کیونکہ جو آدمیوں میں اچھا ہے وہ خدا کے ہاں بھی اچھا ہے دنیا
میں وہ تمہاری دست نگر تھیں لیکن آج وہ ہماری محتاج ہیں۔ ان کا تم پر یہ حق ضرور
ہے کہ تم جو کچھ تمہارے ہاتھ سے پاؤں سے زبان سے ہو سکے ان کی خدمت کرو۔ میں
عشا کے بعد اس وقت نہیں سوتی۔ جب تک اپنے سب عزیزوں کو تھوڑا تھوڑا سا پڑھ کر
نہ پہنچا دوں۔ ایک سورۂ یوسف اور ایک سورۂ بقر تو روزانہ ہوتی ہے کہ اس کا ثواب ان
مرنے والوں کو نہ پہنچے۔ تم اس ثواب کے بھی قایل نہ ہوگی۔ مگر اس کی قلعی اس وقت کھلیگی
جب عزیز گھڑی گور اور خشک بیابان میں سلا کر گھر چلے آئینگے ؛

میرے پیٹ کو یہ آگ لگی کہ تم جیسی بچی پیدا ہوئی جو زندوں سے کیا مردوں سے بھی
نہ ڈرے کمبخت ڈر خدا سے مرنے کو مزا سمجھ اور اس وقت کی بھی کچھ تیاری کر جس وقت یہ
شوں شاں اور یہ دھوم دھام خاک بھی کام نہ آئے گی۔ اسی واسطے اللہ بخشے مرنے والے
اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ بچوں کی زبان سے کسی طرح خدا کا مقدس کلام ادا ہوتا ہے
اماں جان عورت ہیں مگر جس حافظ سے جی چاہے مقابلہ کر لو ذرا سی غلطی پر فوراً ٹوک دینگی
ایک تم بھی مسلمان اور مسلمان کی اولاد ہو کہ درود شریف بھی صحیح پڑھنی نہیں آتی ہوگی اللہ
رحم کرے ؛

(۲۰)

ایک مصیبت تو آتی ہی تھی کہ نوکری چھوٹی اب اس پر غضب یہ ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ کا
قرض دلہن بیگم میرے ساتھ شہر چل نہیں سکتیں۔ ان کے والدین نے صاف انکار کر دیا اب میرا

ایک ایک دن یہاں آفت ہے میں نے جو کیا وہ بھگتتا اب اپنی غلطی پر نادم اور عقل پر روتا ہوں میں نے دوسرے نکاح کا مزہ چکھ لیا اور اس وقت اس نیک بخت نے صاف طور پر کہدیا کہ میں اپنا گھر بار چھوڑ تمہارے ساتھ ایسی صحبت میں پردیس جا کر کیا کروں کہ تم خود بیکار ہو جب ملازمت کا سلسلہ ہو جاتے تو بلا لینا۔ چار سو روپے جمع کئے اور رکھوائے اسوقت مانگے تو وہ اور ان کی ماں اور باپ سب جان کو آگئے کہ شرم نہیں آتی یہ کیا پیچھے بیٹھ کر فاقہ کرے گی۔ اسکو غنیمت سمجھو کہ چپکا چلا جانے دیں۔ ورنہ ہم تو دھر کی کوڑی کوڑی کھوا لیتے جب یہاں سے نکلنے دیتے ؛

زاہدہ۔ یہ تو وہ جانے اور اس کا کام قرضہ جو ڈیڑھ سو کا ہے وہ تم ادا کر دو۔ چار روپیہ مہینہ کے حساب سے جو تم مجھ کو کپڑا لتہ اور پان چھالیہ وغیرہ کا دیتے تھے وہ یوں کا یوں ہی رکھا ہے میں نے تو کوئی بارہ تیرہ روپیہ اٹھائے ہیں۔ یہ روپیہ حاضر ہیں شوق سے لیجاؤ اور ادا کر دو۔

صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے احسان اگر پہلے ہی ہو قریب جب بیماری میں دونو بیویوں نے تعلیم قدیم و جدید کے نمونے پیش کئے کوئی نتیجہ نکالنا چاہتا تو اسے صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ موجودہ تعلیم نسواں جب تک مذہب کے رنگ میں نہ آئے خواتین اسلام کے جوہر پامال کرتی رہے گی۔ اس وقت البتہ اسکو ایک جھکولا لگا اور اسکے دل نے بے ساختہ صدا دی کہ زاہدہ پرستش کے قابل بیوی ہے کہ میرے تمام مظالم برداشت کئے اور اُف نہ کی یقیناً اس نئی دلہن کی شرارت تھی کہ ایسی سیدھی اور بھولی بیوی کو اسطرح بدنام کیا ابھی یہ فیصلہ ایک شعر ہوا تھا کہ بیوی نے رومال کی پوٹلی ہاتھ میں لا کر دی جسمیں روپیہ بندھے ہوتے تھے منصفانہ نظریں اٹھیں اور ندامت کے ساتھ بیوی کے چہرے پر پڑیں تو دیکھا نوکروں پر راج کرنے والی بیگم آج شوہر کے طفیل اس حالت میں ہے کہ کرتہ میں پیوند اور دوپٹہ میلا چکٹ بنیاب ہو گیا۔ آنکھ میں آنسو آگئے باہر آیا اور چیخیں مار کر رودیا

رو چکا تو آنسو پونچھے۔ قرضہ کا روپیہ ادا کیا سوچ رہا تھا کہ کس طرح بیوی سے جا کر اپنی گذشتہ خطاؤں پر ندامت کا اظہار کروں اور معافی کا طلبگار ہوں کہ ایک لڑکے نے سامنے سے آکر خط دیا کھولا تو لکھا تھا۔

میرے اس وقت کے ساتھ نہ چل سکنے کو تم امر مجبوری سمجھنا میں جس طرح تمہاری فرمانبردار ہوں اسی طرح والدین کی مصلحت یہ ہی ٹلی اور ہے میں مسلمان ہوں اور حقوق اسلام کے بموجب تمہاری زندگی کی شریک کوئی وجہ نہیں کہ تمہارے حکم کی تعمیل نہ کرتی۔ مگر اس مصلحت کا نتیجہ تم کو جلد معلوم ہو جائے گا جس وقت بلاؤ گے میں اسی وقت سر آنکھوں سے حاضر ہونگی۔ ہاں ایک بات کا انتظام کرتے جاؤ میں تم کو تکلیف نہ دیتی۔ مگر یہ مجھ سے زیادہ تمہاری عزت کا سوال ہے۔ دسمبر کے چوتھے ہفتہ میں انجمن خواتین ہند کا اجلاس ہے اور میرا نام شایع ہو چکا ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو ایسی حالت میں میرا جانا کس قدر ضروری ہے اس وقت تک تو میرا خیال یہ ہے کہ موت کے سوا کوئی طاقت مجھ کو وہاں جانے سے باز نہیں رکھ سکتی اس لئے میں سب سے پہلے تم کو اطلاع دیتی ہوں۔ کیونکہ میں اسکو نہایت ضروری خیال کرتی ہوں اور اس کے بعد ایک اور اشد ضرورت پر متوجہ کرتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ جلسہ کی شرکت کے قابل میرے پاس کوئی لباس نہیں بیویاں روزانہ کپڑے بدلتی ہیں کم از کم چار روز میں دو جوڑے تو تبدیل کروں۔ زیور تو خیر خدا کا دیا ہوتا تو اچھا تھا نہیں ہے تو اب چوری تو کرنے سے رہے۔ ہاں کپڑا تو ذرا ڈھنگ کا ہو کہ کسی کی نظر میں حقیر نہ ہوں تمکو معلوم ہے مجھ کو مصالحہ وغیرہ سے نفرت ہے میں ایسی جگہ ہرگز روپیہ صرف کرنا پسند نہیں کرتی جہاں روپیہ کا پیسہ بھی نہ رہے البتہ جو ضروری چیزیں ہیں ان سے مفر نہیں دو جوڑے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپیہ میں تیار ہو جائیں گے۔ اگر تم اس کا حساب بیباق کرو تو اس رقم کے ساتھ ہی اس کا بھی فکر کر لینا۔ اور اگر اس میں وقت ہو تو میں ہرگز ہرگز تم کو اذیت دینی نہیں چاہتی تم اسی سے قرض کا انتظام کر لو وہاں سے بھجوا دینا میں تو تم کو تکلیف نہیں دیتی

اباجان سے کہہ دیتی وہ بنوا دیتے اور میں نے یہی سوچا بھی تھا مگر اب جو غور کرتی ہوں تو مجھکو ایسی درخواست کرنے کا کوئی حق نہیں ہے طبیعت کچھ ایسی ہی لیکر آئی ہوں کہ ناجائز مطالبہ کو کبھی پسند نہیں کرتی مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنے اخراجات ان کے اوپر ڈالدوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم کو مفصل کیفیت سناؤں میں اگر معمولی لباس میں شریک ہوتی اول تو خدا نخواستہ ہونے ہی کیوں لگی تو مجھ سے زیادہ تمہاری آبرو پر پانی پھرے گا میں اس موقع پر خاموش بھی ہو جاتی اور ٹال دیتی۔ مگر خدا خدا کرکے نو سال بھر میں یہ موقع نصیب ہوتا ہے کہ کچھ قوم کی خدمت ہو سکے اور شاید یہی کام خدا قبول فرمائے۔ دوسرے مسلمانوں کی جو حالت ہے میں اور کی تو نہیں کہہ سکتی میری کیفیت یہ ہے کہ دیکھ دیکھ کر کڑھتی ہوں امید ہے کہ یہ تجویزیں ضرور کارگر ہوں گی اور مسلمان عورتیں جہالت کے گڑھے سے نکلکر علم کی روشنی سے منور ہونگی ؎

تم کو اس کے انتظام میں اگر زیادہ تردد ہو تو میں ایک اور تدبیر بتاتی ہوں تمہاری بڑی صاحب کے پاس بہت سا زیور ہے جس کو وہ ہمیشہ دوسرے کی امانت بتاتی ہیں حالانکہ میں خود ان کو استعمال کرتے دیکھ چکی ہوں۔ وہ اِس قدر کافی ہے کہ تم کو سال دو سال بھی نوکری نہ ملے تو پریشانی نہ ہوگی۔ اس میں سے تم ڈیڑھ سو روپیہ کا انتظام کر سکتے ہو میں نے خود ہی یہ پرچہ تم کو لکھا ہے ابھی گھر میں کسی سے ذکر نہ کیا۔ اباجان تمہارے پاس آنے کا قصد کر رہے تھے کہ لڑکی کے اخراجات کا انتظام عدالت کے ذریعہ سے کریں۔ مگر میں نے ان کو روک دیا اور کہدیا کہ اب اِس کا فکر نہ کیجیے میں نے ان کو منع کر دیا مگر تم جس طرح ہو اس کا انتظام آج ہی کر دو ایسا غضب نہ کرنا کہ یوں ہی چلے جاؤ۔ کیونکہ اباجان کی عادت سے تم واقف ہو تو پھر وہ میرے روکے نہ رکیں گے ؎

(واپس۔ احسان)

خط کے پڑھتے ہی احسان کے چھکے چھوٹ گئے۔ چاہتا یہ ہی کے پاس جاتا تھا

مگر اس مضمون کا دیکھنا تھا کہ ہوش جاتے رہے لوٹتا ہوا ایک سرسبز و شاداب قطعہ پر جہاں سبزہ کا فرش مخملی چاروں طرف پھیلا ہوا تھا جا بیٹھا اور سوچنے لگا کہ بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں جا پھنسا میں تو سمجھا تھا کہ تعلیم یافتہ بیوی میری زندگی درست کر دے گی۔ مگر یہ کمبخت تو سانپ کی چھچھوندر ہو گئی۔ کچھ ایسی پڑھی لکھی بھی تو نہیں فقط لباس اور گفتگو ہی تعلیم کی دیکھ لو زاہدہ کی قابلیت اس سے ہزار درجہ اور اس کی عادت و خصلت اس سے لاکھ درجہ افضل ہے اب اس خط کا کیا جواب دوں یہ تو ایسے شورہ پشت لوگ ہیں کہ اگر انکار کرتا ہوں تو نہ معلوم کس مصیبت میں ڈلوا دیں گے۔ خیر اب ایک صورت ہے کہ میں بھی چالاکی سے کام لوں اور کسی طرح ان مکاروں کے پھندے سے نکلکر گھر پہنچوں وہاں پہنچکر تو پھر میں انکی ہوشیاری و مکاری سب دیکھ لوں گا۔ مگر اس معاملہ میں زاہدہ کی صلاح ضروری ہے یہ فیصلہ کر احسان گھر آیا تو زاہدہ کی صورت ظاہری ایک پتھر تھا ایک نشتر تھا جو اس کے کلیجہ میں گھسا ہی بیوی جو سچ مچ کی بیگم تھی اس وقت لونڈیوں کے ہرسے میں نظر آئی خیال کیا تو اس تمام انقلاب کا ذمہ دار احسان اور صرف احسان تھا زیادہ غور کرنے لگا تو خود نفس ہی نے ملامت کی اور آواز بلند کہا کہ اس انقلاب پر بھی اس کے جوہر اس آب و تاب سے چمک رہے ہیں اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس وقت تک کسر نہ کی اور اب تک کہ میں نے اسکو اس حالوں پہنچا دیا۔ اسیطرح میری عزت کی خواہاں اور میرے بھرم کی جویاں ہے آگے بڑھا اور وہ خط دکھا کر کہا لو اب بتاؤ میں کیا کروں زاہدہ نے خط پڑھا اور کہنے لگی۔

ان کا یہ کہنا غلط ہے یا صحیح یہ تو تم ہی فیصلہ کرو مگر اس میں کیا کلام ہے کہ اب وہ اپنی ضرورتوں کا اظہار تم سے نہ کریں تو کس سے کریں۔

احسان تو کیا تم اس پر رضامند ہو کہ میں اس زیور میں سے ڈیڑھ سو روپیہ دیدوں۔

زاہدہ۔ میں تمہاری ضرورت کے مقابلہ اور تمہارے حکم کے سامنے انکار کی مجال تو نہیں رکھتی مگر یہ ضرور عرض کرونگی۔ کہ وہ چونکہ میری ملکیت نہیں اس لئے مجھے

اس کے دینے کا بھی حق حاصل نہیں ؛

احسان۔ پھر کیا کرنا چاہئے۔ افسوس یہ ہے کہ میں دونو جہان سے گیا۔ تمہاری تکلیف کا بار میری گردن پر سخت ہے اور مجھے اس کا صدمہ ہے کہ میں نے غلطی کی ؛

زاہدہ۔ میرا تو تم مطلق خیال نہ کرو میں جس طرح پہلے تمہاری لونڈی تھی۔ آج بھی ہوں۔ اور انشااللہ ہمیشہ رہونگی ؛

احسان نے دل میں کچھ فیصلہ کیا اور بیوی سے صرف اتنا کہکر باہر آیا اسباب وغیرہ باندھو گاڑی کرایہ کی اور کہا مغرب کے بعد تیار رہنا شام ہوتے ہی احسان زاہدہ سمیت گاڑی میں بیٹھ روانہ ہوگیا ؛

تعلیم یافتہ بیوی کا دھڑکا ٹیکے سے کم نہ تھا رستے بھر احسان کو کھٹکا رہا کہ اب کوئی آیا اور گاڑی رکی صبح چار بجے کے قریب سٹیشن پر پہنچے تو سردی خوب شدت سے تھی۔ مسافرخانہ کے کرہ میں لیجاکر بیوی کو ٹھہرایا یہاں ایک لمبی تپائی پر ایک مسلمان خاتون لیٹی ہوئی تھیں انکی آنکھوں پر عینک تھی اور سر سے پاؤں تک سوا رنگ کے کوئی چیز انگریزی عورتوں سے کم نہ تھی۔ ہاتھ میں اخبار تھا اور نگاہ نیچے ایک عورت فرش بچھائے اور اپنے بچہ کو لئے بیٹھی تھی زاہدہ کا خیال تھا کہ پڑھی لکھی بیوی اسکی صورت دیکھ کر اٹھ کھڑی ہونگی تپائی چونکہ سرکاری ہے کم سے کم اتنا تو کہیں گی کہ آیئے بیٹھ جایئے مگر اس کا خیال پورا ہونا تو درکنار پڑھی لکھی بیوی نے آنکھ اٹھاکر نہ دیکھا زاہدہ نے دوسری طرف دیکھا تو دوسری تپائی اسباب سے رکی ہوئی تھی۔ دوسری بیوی سے پوچھا یہ اسباب کس کا ہے۔

عورت۔ جی نہیں ان میم صاحبہ کا ہے۔

تعلیم یافتہ۔ کیوں آپ کا کیا مطلب ہے۔

زاہدہ۔ میں بیٹھنا چاہتی ہوں۔

تعلیم یافتہ۔ آپ نیچے بیٹھ جایئے۔ یہ بنچ آپ دیکھتی نہیں سکی ہوئی ہے۔

مہربانی سے ذرا کر دروازہ کھول دیجئے کہ تازہ ہوا آتی رہے ؎

اتنا کہکر تعلیم یافتہ بیوی نے اخبار پڑھنا شروع کیا تو اخبار اردو ہی کا تھا۔ مگر الفاظ یہ تھے ؎

اے کیٹ ۔ رین

A Cat ran.

دِس بُک از مائین

This book is mine.

زاہدہ کو ناگوار تو بہت ہوا زیادہ تر اس لئے کہ اتنی انگریزی وہ بھی سمجھتی تھی۔ جلی بھی اور ہنسی بھی۔ مگر ضبط کیا اور دروازہ کھول دیا۔

تعلیم یافتہ۔ تھینک یُو۔

عورت۔ آپ ذرا ادھر کا کواڑ بھیڑ دیجئے کہ ہوا بہت تیز ہے اور میرا بخار زدہ بچہ اُچھلا پڑتا ہے ؎

تعلیم یافتہ۔ میں نے آپ سے کہا کہ ایک آپکے بچہ کی وجہ سے دوسرے بیمار نہیں ہوسکتے آپ دیکھتی ہیں کہ تازہ ہوا کے داخل ہونے کا یہاں کوئی رستہ نہیں صرف یہ دو روشندان ہیں جو کافی نہیں ہوسکتے یہاں آدمی چار ہیں۔ ہم کو کافی آکسیجن کی ضرورت ہے پر نہیں ہوسکتا کہ ہم کاربن میں موجود رہیں۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ اپنے بیمار بچہ کو لیکر سفر کیجے اور دوسروں کو اذیت پہنچائیے ؎

عورت۔ نہیں بی بی میں تو تکلیف نہیں پہنچا رہی آپ دیکھ لیجئے یہ بچہ بخار میں جل بلا رہا ہے ہوا اس کے واسطے زہر ہے آپ کی اجازت نہیں ہے تو کواڑ کھلوا لیجئے۔ میں اس کو دبکا کر ادھر منہ کر لونگی۔ زاہدہ نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو بچہ بخار میں لوتھ تھا اور کھانسی اس شدت کی تھی کہ نیلا پڑا جاتا تھا ؎

تعلیم یافتہ۔ آپ اگر پڑھی لکھی ہوتیں تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اس بچہ کی اس طرح کھانسی سے مجھ کو کس قدر تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ اسکو بیمار کہتی ہیں۔ مگر اس کے کھانسنے کی آواز شیر سے کم نہیں ؛

عورت۔ بی بی یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ کہ میں کھانسی روک لوں۔ میں مجبور ہوں ؛

تعلیم یافتہ۔ آپ باہر جایئے دیکھئے وہ برابر کھانس رہا ہے اور یہ بعد میں کیسی خطرناک آواز نکل رہی ہے ؛

خانساماں نے آواز دی کہ چاء حاضر ہے ؛

تعلیم یافتہ۔ لے آؤ۔

خانساماں اندر آیا۔ عورت اور زاہدہ اوٹ کر کے بیٹھ گئیں۔ اور تعلیم یافتہ نے چائے بسکٹ اور سانڈے کھا کر خانساماں کو رخصت کیا اور عورت سے کہا آپ اسکو ایک انڈا اور دو سپون چاء دیجئے۔

عورت۔ میرے پاس پیسہ مطلق نہیں۔

تعلیم یافتہ۔ افسوس۔

A Cat ran.
you are a fool.

زاہدہ۔ آپ نے خانساماں کو اندر بلا لیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا۔ یہاں دو پردہ کرنے والی عورتیں موجود ہیں۔ یہ کمرہ پردہ نشین عورتوں کے واسطے مخصوص ہے آپکو کوئی حق نہ تھا کہ آپ اس کو اندر بلائیں ؛

تعلیم یافتہ۔ آپ بھی مسلمان ہیں۔ اور میں بھی لیکن آپ پرانی عورتوں کی طرح جاہل ہیں اور اسلام کو مطلق نہیں سمجھتیں میں اسلام کو آپ سے بہتر سمجھتی ہوں پردہ جسقدر

ضروری ہے اور جو اسلام کا حکم ہے اس کے خلاف کچھ نہیں ہوا۔

زاہدہ۔ ممکن ہے کہ آپ اسلام کو ہم سے بہتر سمجھتی ہوں۔ مگر پردے کے متعلق آپ کو ہمارے جذبات کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ کیا تعلیم کے یہ معنے ہیں کہ دوسروں کے جذبات کا بیدردی سے خون کر دیا جائے۔

تعلیم یافتہ۔ آپ نے پردہ کے اصول پر بھی کبھی توجہ کی۔ یہ آپ کا پردہ پردہ نہیں قید ہے جو شرع اسلام کے بالکل برخلاف ہے ضرورت ہے کہ آپ مذہب کو سمجھ کر زندہ رہیں ورنہ یہ زندگی فضول ہے اگر آپ زیور تعلیم سے آراستہ ہوتیں اور قوم کا درد آپ کے دل میں ہوتا تو آپ کی زندگی سے مسلمان فایدہ اٹھاتے جس بری طرح مردوں نے ہمارے حقوق پامال کیے ہیں اور ہم کو انسان سے جانور بنا رکھا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہم آخر انسان ہیں اور اپنی ذلت کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں ؛

اوہ۔ اوہ کیسی سخت تکلیف اس لڑکے کی کھانسی سے ہوتی ہے۔ باہر جاؤ باہر جاؤ تم جاہل لوگ اتنا نہیں سمجھتا کہ دوسروں کو تکلیف دینے کا تم کو کیا حق ہے اگر تم باہر نہیں جاتیں تو ہم تم کو زبردستی نکال دیگا اور ابھی تمہارا رپورٹ کرتا ہے۔ جاہل بیوقوف۔

عورت۔ بیوی ذرا باہر نکلکر تو دیکھو ہوا غضب ڈھا رہی ہے۔ اس پھول کو تو مار دے گی۔

تعلیم یافتہ۔ پھول پھول مت بکو۔ یہ تم کو پھول ہے ہم کو نہیں انسان کا بچہ ہے ہوتا ہے مرتا ہے۔ دوسروں کو اذیت مت دو چلو نہیں ہم ابھی رپورٹ کرتا ہے ؛

عورت نے بچہ کو سمبھالا اور تعلیم یافتہ بیوی کا منہ تکتی ہوئی باہر آ بیٹھی۔ زاہدہ یہ منظر دیکھ رہ گئی اور خود بھی موقع اور تنہا باہر آگئی۔ عورت کی حالت نہایت خراب تھی بچہ سینے سے لگائے آنکھوں میں دنیا اندھیر کر دی تھی۔ اسکے منہ کو تکتی تھی پیار کرتی تھی

تھی اور بیتاب ہو رہی تھی زاہدہ نے پوچھا۔
یہ کب سے بیمار ہے آپ اسکو کیا دوا دے رہی ہیں اور آپ کو جانا کہاں ہے۔

عورت۔ بیوی کیا بتاؤں کیوں پوچھتی ہو کیا فایدہ دنیا کے جھگڑے میں چل رہے ہیں جب تک زندہ ہوں چلتے رہیں گے۔

زاہدہ۔ آخر آپ بتائیے تو سہی بتانے میں کیا نقصان ہے۔

عورت۔ میں شاہجہان پور کی رہنے والی ہوں۔ وہیں بیاہی گئی میرے والد پہاڑ پر نوکر تھے۔ زلزلہ میں ہمارا تمام مکان اور آدمی دب گئے۔ اور میرے سر سے ماں باپ دونو کا سایہ اٹھ گیا۔ ایک شخص نے جس کا نام میں بھول گئی ہم کو آکر اطلاع دی کہ میری اماجان مرتی دفعہ زیور کسی کے سپرد کر گئی ہیں۔ کسی معتبر آدمی کو بھیجکر وہ منگوا لو۔ کوئی صاحب مدرسہ میں احسان ہیں اُن کی بیوی کے پاس امانت ہے میرے میاں بیمار تھے اور ہمارے پاس اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ اتنی دور کا سفر کر سکیں کہ ان کی بیوی کی اما کا خط آیا اور ہم پہاڑ روانہ ہو گئے۔ میاں بیمار تھے پہاڑ پہنچکر اور بھی مرض بڑھ گیا اور پانچ روز میں چیٹ پٹ ہو گئے۔ بیوی کس کس کو روؤں ماں کو باپ کو شوہر کو میں اکیلی یا یہ دو برس کا معصوم پتہ پوچھ پوچھ احسان صاحب کی بیوی کے پاس پہونچی۔ انہوں نے وہ گالیاں دیں کہ خدا کی پناہ ان کے ابا مارنے دوڑے اور گھر سے نکال دیا۔ سرائے میں ٹھہری ہوئی تھی مسلمانوں نے اپنی شرارت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا ایک رات سرائے میں کاٹنی قیامت ہو گئی۔ اسی حالت میں دن نکلتے ہی وہاں سے بھاگی سرائے والے نے جو اسباب تھا وہ اپنے داموں میں چھین لیا۔ اب میرے پاس سوا اس لال کے جو میری گود میں ہے یا ان کپڑوں کے جو بدن پر ہیں اور کچھ نہیں ارادہ ہے کہ پاؤں پاؤں گھر چلی جاؤں بیوی اس بچہ کو کیا پوچھتی ہو بن باپ کا بچہ ہے اگر اس کا باپ ہوتا تو وقت مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈھاتا اور میں اسکے واسطے ایک ایک پیسہ کے شربت کو نہ ترستی۔ یہ بن باپ کا بچہ اور بے وارث کا لڑکا ہے جس کو

اور جس نے یہ الفاظ سنے کہ

"بیوی معاف کرنا میں نے اطمینان کیوجہ سے یہ پرگائی"

تو دوڑ کر لپٹ گئی اور کہا میں آپکے احسان جب تک زندہ ہوں فراموش نہیں کر سکتی۔

زاہدہ۔ یہ آپ کا کرم ہے میں نے درحقیقت آپ کو اسواسطے تکلیف دی تھی۔ کیونکہ اماجان کا خط میں نے وہیں پہچان لیا تھا۔ اب یہ آپ کا گھر ہے جب تک جی چاہے شوق سے رہیے اگر آپ جانا چاہیں تو میں نے ماموں جان کو رضا مند کر لیا ہے۔ وہی آپکے پاس گئے تھے ضعیف العمر آدمی ہیں اطمینان سے پہنچا دیں گے ؛

عورت۔ ہاں اگر اب گاڑی کا وقت ہو تو مجھے بھجوا دیجئے۔

زاہدہ۔ جی ہاں وہ اسیوقت کی گاڑی میں آپ کے پاس گئے تھے میں نے دریافت کیا تھا ؛

عورت۔ بہت اچھا۔

زاہدہ نے گاڑی منگوائی جب عورت دروازہ میں پہونچی تو اس کی ماں نے آکر مہمان کو گلے لگایا اور کہا یہ کھانا رکھ لیجئے رستہ میں کام آئے گا۔ یہ زیور اس بچہ کی تعلیم کے واسطے رکھیے اور اپنے اخراجات نشستم برخاستم پورے کیجئے یہ احتیاطاً کچھ روپیہ ہیں اپنے پاس رکھئے آیندہ پھر پہلی تاریخ کو جو کچھ میں بھیجوں اپنی عنایت سے قبول فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

گاڑی موجود تھی اور عورت اپنے بچہ کو لیکر اندر بیٹھی۔ بڑے میاں باہر اور اس طرح زاہدہ اپنے مہمان کو رخصت کر بار امانت سے سبکدوش ہوئی ؛

(۲۱)

بے شمار پھول باغوں میں کھلے اور مرجھائے لاتعداد روحیں دنیا میں آئیں اور گئیں آج ان پھولوں کا نشان اور ان زندگیوں کا پتہ دنیائے حیات میں نہیں پھول مرجھانے کو پیدا ہوئے اور زندگیاں نابید ہونے کو آئیں فنا ہونے والے پھول نہیں ہیں ان کا [illegible]

اور رفتہ رفتہ صحبت کا اثر حسن کو راہ راست پر لے آیا اور نخوت و تمکنت سب رفو چکر ہوتی
خدا کے سامنے سر بھی جھکنے لگا اور زبان بھی۔ اگلے لوگوں کی زندگی کو سراہنے لگی۔ خدا کی
شان تھی جو شخص مسلمان سے سیدھے منہ بات کرنا کسر شان سمجھتا تھا وہ اکثر نمازیں
صبح کی نماز مفلسوں اور غریبوں کے برابر کھڑے ہو کر جماعت سے پڑھتا۔ البتہ میاں
بیوی کے مزاج میں زبردست اختلاف کی بنیاد پڑی میاں مغرب کا دشمن اسلام کا شیدا
جدت سے نفرت شہرت سے وحشت۔ بیوی ترقی کی عاشق مذہب سے دور نام کی
غلام کام کی دشمن حسن کو وقت نے ٹھیک بنایا اور حسن کا رنگ دیکھ کچھ تو صحبت کا اثر
اور کچھ دکھائی دی موت۔ باپ بھی اسی طرف ڈھلا اب گھر بھر میں ترقی کی حافظ اگر تھیں
تو بی شاہدہ۔ گلابی جاڑے تھے رمضان کا مہینہ شروع ہوا۔ شاہدہ کا لڑکا اس وقت خاصا
ماشاء اللہ دس سال کا تھا اور گو ماں کی صحبت نے بھی اور تربیت نے بھی اس کا ناس کرنے
میں کمی نہ کی تھی۔ مگر باپ کی احتیاط اور احتیاط کے ساتھ کوشش نے اس کو تھوڑا بہت
مسلمان بنا دیا تھا۔ روزہ کی خبر شاہدہ بہت روز سے سن رہی تھی اور سہم رہی تھی تیرہواں
روزہ تھا کہ حسن نے ساس کو بلایا اور اس کے سامنے بیوی سے کہا۔ کل منجھلا روزہ ہے شاہد
کو روزہ رکھواؤ آخر یہ بھی ہم پر فرض ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

شاہدہ۔ فرض کی خوب کہی اور اس کا روزہ ہم پر فرض تھا یہ اس سے بھی بڑھ کر ہوئی
تعجب تو یہ ہے کہ یکایک تمہاری عقل کو کیا ہو گیا کہ ان جھوٹے مسلمانوں کا کلمہ پڑھنے لگے
روزہ کی ضرورت اسلام کے ابتدائی دور میں بیشک تھی اس لئے کہ مسلمان یوں بھی فاقہ
مرتے تھے روزہ کے لالچ نے ان کو ثواب عاقبت کی تقویت دی۔ مگر اب روزہ کو ضروری
سمجھنا میری رائے میں غلطی ہے جو کچھ ملا کہتے ہیں اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان فاقہ
کی تکلیف محسوس کر سکے چنانچہ ہر شخص کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی طرح ایک آدھ وقت کا فاقہ
کر لیتا ہے مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ آدمی فاقہ کی اذیت محسوس کرنے کے لئے اپنا

فاقہ کرنے والوں کے حوالہ کردیے ہیں یقیناً اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ میرا بچہ محض تمہاری عقلمندی سے مصیبت بھگتے۔ علاوہ ازیں یہ روزہ کی شادی کیسی کہ تم مہمان جمع کرنے کی فکر کر رہے ہو۔ بہت سے کام ہیں جہاں روپیہ مناسب طور پر صرف ہو سکتا ہے روپیہ اس واسطے نہیں ہے کہ فالتو لوگ آ کر مزے اڑائیں اور میرا بچہ روزہ کی مصیبت بھگتے۔

حسن۔ کسقدر افسوس ہے تمہاری عقل پر کہ تم نے بالکل ہی مذہب کو کھو دیا اور ایسے ایسے سخت کلمے تمہاری زبان سے نکلتے ہیں تم اگر اپنے تئیں مسلمان کہتی ہو تو تم کو شرم آنی چاہیے کہ تم اسلام کی اس طرح اپنے منہ سے توہین کرو۔

شاہدہ۔ میں بیشک مسلمان ہوں اور تم سے بہتر فرق اتنا ہے تم نے اسلام کو نہیں سمجھا میں نے سمجھ لیا کہ تم جاہل مسلمان ہو میں تعلیمیافتہ مسلمان۔

حسن۔ اگر تعلیم کا یہی نشا ہے کہ آدمی مذہب چھوڑ دے تو میں کہتا ہوں تعلیم گناہ سخت گناہ۔

شاہدہ۔ اگر مذہب کے یہی معنے ہیں جو تم سمجھ رہے ہو تو تم کو تمہارے مذہب کو تمہارے خدا کو سب سلام۔

حسن۔ اس قسم کی لغو باتیں تم کو ایک دفعہ پورا مزہ چکھا چکی ہیں اور ابھی تک نافرمانی اور خود رائی کی گفتگو کرتی ہو۔ تم کو جو سزا ملی وہ خدا کا غضب تھا جو تمہارے اوپر ٹوٹا۔

شاہدہ۔ مگر تم نے کیا قصور کیا تھا۔

حسن۔ چنے کے ساتھ گھن پس گیا۔ تمہاری وجہ سے میں بھی لپیٹ میں آ گیا۔

شاہدہ۔ اور تمہاری ماں کی موت کو کسے خدا کا عذاب تھا۔

حسن۔ وہ تو وقت سے مریں اپنی عمر سے مریں اپنے ٹھکانہ پر مریں۔

شاہدہ۔ مگر جاہل عورتوں کی عمر تو زیادہ ہوتی ہے ان کی عمر ایسی تو نہ تھی۔

حسن نے بیوی کے اس فقرے کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر اسکی طبیعت بگڑ گئی اس کو مری ہوئی ماں کے متعلق یہ الفاظ بہت ناگوار ہوئے دو تین لمحہ خاموشی رہی۔ اس کے بعد شاہدہ نے کہا اگر روزہ ضروری ہے تو یہ شادی کیا معنے رکھتی ہے۔ روپیہ صرف کرنے کی کوئی قومی ضرورت نہیں ہے جو ان لغویات میں برباد کر رہے ہو ہم جو دن رات ان رسموں کو پیٹ رہے ہیں تو اسیواسطے کہ مسلمان تباہ اور برباد ہو چکے اب ان کے پاس کچھ نہیں ہاں یہ رسمیں باقی رہ گئیں جو ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑی ہیں اور جہالت کے کھلے ہوئے کرشمے ہیں کون ایسا آنکھوں کا اندھا ہوگا جو اتنی بات نہ سمجھ سکے کہ جس قوم میں افلاس کی چاروں طرف پھیلا رہی ہو وہ ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ روزہ کی شادی پر اٹھائے۔ مدرسے ہیں یتیم خانے ہیں انجمنیں ہیں ان کو دو تو قوم کو کچھ فایدہ پہونچے مسلمان مصیبتوں سے رہائی پائیں نہ کہ یہ غضب کہ روزے کی شادی ہو۔ مہمان کھاتے پیتے آکر جمع ہوں اور کوئی بریانی مانگے اور کوئی متنجن کیا اس سے زیادہ کوئی گناہ ہوگا اور اسکی بازپرس خدا کے ہاں نہ ہوگی۔ یہ اماں جان برابر بیٹھی ہیں اور خدا رسول کو جانتی اور پہچانتی ہیں۔ خدا کے واسطے ذرا مجھکو جواب دیں یہ بتائیں تم بتاؤ۔ ماشاءاللہ دونو ایک سے ایک افضل ہیں۔ کوئی تو اس عقدے کو حل کرے یہ شادی اچھی یا قوم کی بربادی کا خیال اچھا +

ماں۔ تمہارا خیال بظاہر درست اور تمہاری رائے دیکھنے کو معقول اور ماننے کو نہایت اچھی ہے اور ہم بھی اس رائے کی تائید اور اس خیال کی درستی سے متفق ہیں۔ بیشک ہیں اور ضرور ہیں۔ مگر تمہارے خیال میں کچھ بحث کی ضرورت اور تھوڑے سے اختلاف کی حاجت ہے بشرطیکہ ناگوار نہ ہو اور برا نہ مانو۔

ہم کو تم سے اس معاملہ میں اتفاق ہے کہ ان رسوم نے جو دوسروں سے لی گئیں یقیناً مسلمانوں کو تباہ کیا بلکہ ہم یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ عام طور پر مسلمانوں کا بڑا حصہ رسوم کی بدولت پریشان ہوا۔ مگر اس سلسلہ میں سب سے پہلے رسم کی نوعیت اور ادا کرنے والے کی

حالت پر غور کرنا ہوگا کہ رسم مفلس کے واسطے زحمت اور امداد کے لئے رحمت ثابت ہوگی
انجمن یتیموں غریبوں۔ اپاہجوں کی خدمت سے کس کو انکار ہے مگر سب سے پہلا حق تو
ہمارے اور ہمارے عزیزوں کا ہے وہ عزیز جن کو روٹی کپڑا تک بھی میسر نہیں تمہارے
میکے اور سسرال میں کیسی کیسی دکھیاری رانڈیں کیسے یتیم معصوم بچے پڑے ہیں کیا تم
کہہ سکتی ہو تمہارے میاں بتا سکتے ہیں کہ کتنی مرتبہ اپنے دسترخوان سے اٹھا کر دو روٹیاں
بھیجیں جوان لڑکیاں مسند پر ڈھے غریب بچے فاقوں سے سوئیں اور ننگے پھریں
کیا کبھی تمہارا دل ان بدنصیبوں کی مصیبت پر پسیجا اور حاجت مندوں کی حالت پر کڑھا یہ دیوار
بیچ نصیر آدھ برس کی رانڈ بیٹھی ہے ہماری آنکھوں کے سامنے رنڈاپا کاٹ دیا اور آن
میں فرق نہ آیا۔ تمہارے میاں کی حقیقی خالہ زاد بہن ہے۔ مگر میں جانتی ہوں
کہ تمہارے گھر کی خبر نہ ہوگی یہ ہم حقیقت میں ایک بہانہ ہے کہ تمام
عزیز اقارب ایک جگہ جمع ہو کر ایک گھر میں بیٹھ کر ایک دسترخوان پر کھانا کھالیں اور
اس سلسلہ میں امیر کے پیسہ سے غریب بھی مستفیض ہو جائے کیسی شادی اور کیسا جلسہ
معبود حقیقی کا شکر ہے کہ تو نے اس بچے کو اس قابل کیا کہ ہماری زندگی میں پیغمبر کے
حکم کی تعمیل کرتے ہیں اس نعمت میں جو تو نے ہم کو عنایت کی ہم تیرا شکریہ اس طرح ادا
کرتے ہیں کہ اپنے عزیزوں کو جو تیرا حکم ہے غریب حاجت مندوں کو جو تیرا ارشاد ہے
کھانا کھلا کر خوش کرتے ہیں تاکہ ان کے دکھے ہوئے دل سکھ پا کر دعا کریں تو قبول کرے
اور ہمارے بچے کی عمر میں ترقی ہو۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ عقیقہ کے موقعہ پر دو بیٹی کوئی
خواہ مخواہ نہیں دیا کرتے تھے وہاں دیں جہاں اپنا کام ہو یا نام۔ دو دینے والے کے ہاتھ
سے دولت کا ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ قبروں میں جا سوئے اب اگر ایسے موجود ہیں تو وہ دیں
شوق سے دیں اس سے بہتر کام اور کیا ہوگا۔ مگر اس طرح کہ بیٹے کے روزہ کا شادیانہ ہے
[illegible] ہر شخص خوشی خوشی دو پیسہ صرف کر دے گا۔ اس لئے یہ سوال [illegible]

مقرر کر دیئے اور وہ بھی ان لوگوں کے واسطے جن کے پاس ہے اُن کے لئے نہیں کہ گرہ میں نہیں کوڑی۔ گٹے والے ہوت۔ قرض لیا نام کیا بھیک مانگی۔ گروی رکھا اور شادی جا بیٹھے ان کے واسطے تو ثواب سخت عذاب ہے وہ رسوم جن میں ذوی القربیٰ کی تعمیل ہو ہمارا ایمان وہ رسمیں جن میں غربا امیروں سے مستفید ہوں لاریب جائز وہ رسمیں جو ہماری روایات کو زندہ رکھیں۔ بلاشک دست خدا نے اپنے فضل و کرم سے تم کو دیا ہے۔ اور ضرورت سے زیادہ یہ صرف تمہاری ملکیت نہیں ہے تم لاکھ اپنا مال اور ہزار اپنی چیز سمجھو مگر اس میں دوسروں کے بھی حق ہیں اور سب سے بڑا حق سب سے بڑا حصہ اسی دینے والے کا ہے جو دینے کی قدرت رکھ کر لینے کی طاقت رکھ کر یتیم کی صورت میں فقیر کی ہیئت میں تمہارے دروازہ پر آئے تمہارے پڑوس میں رہے تمہارے محلہ میں رہے تمہاری دنیا میں بسے کیا تم ایمان سے کہہ سکتی ہو کہ تم نے اپنی تمام عمر میں کبھی بھی اس نیت سے اس خیال سے اس ارادہ سے کسی حاجت مند کی حاجت کسی بدنصیب کی مصیبت کسی دکھیاری کا دکھ پوری کی دور کی رفع کی نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں قطعی نہیں پھر تم ہی بتاؤ کہ اگر اسی بہانے دولت نیک لگی تمہارا بیڑا پار ہوا تمہاری عاقبت سنور گئی تو اچھا ہوا یا بُرا میں ان لوگوں کی دشمن ہوں جو خود کسی قابل نہیں۔ مگر مصیبت میں پھنسکر آفت میں گھر کر قرض لیکر رسمیں ادا کریں اور اس طرح ان لوگوں کی جو مالدار ہو کر دولت مند بنکر روپیہ رکھ کر ضروری رسم سے بچیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا اور پیسہ کا ایک پیسہ تو ان کا ایک پیسہ ٹھہرا خدا کی راہ پر نہ دیں۔ تمہارے یہ دونوں چھوکرے جو ہر وقت تمہاری خدمت میں تمہاری نوکری میں تمہارے حکم کی فرمانبرداری کو تمہارے ارشاد کی تعمیل کو حاضر تیار اور آمادہ ہیں تین سال سے تمہاری غلامی کر رہے ہیں یہ آج بن ماں کے سہی بن باپ کے درست مگر کبھی کلیجہ کے ٹکڑے اور آنکھوں کی ٹھنڈک بھی تھے۔ اس وقت وہ آنکھیں بند اور وہ کلیجے موجود نہ ہوں۔ مگر یہ مسلمانوں کی اولاد ہیں تم بتا سکتی ہو کہ اس عرصہ میں تم نے

اے لیتی مرتبہ ان کو کلیجہ سے لگایا اور کے دفعہ گھر کا جھڑ کا۔ ڈانٹا۔ پیٹا کیا یہ صرف اسی لئے پیدا ہوتے تھے کہ ماں کی محبت اور باپ کی شفقت سے محروم ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتیں کیا انکی عمر اس قابل تھی کہ تم ان کو تعلیم دیتیں اور یہ پڑھ لکھ کر کسی لائق ہوتے انکی صورت اگر آنکھیں ہوں ان کی حالت اگر کان ہوں کچھ دکھاتی ہے کچھ سناتی ہے عقل ہو تو کچھ بتاتی ہے اور ایمان ہو تو کچھ طلب کرتی ہے یہ تمہارے کلمہ کے شریک تمہارے مذہب کے ساتھی اور تمہاری قوم کے بچے ہیں جو روکھے ٹکڑے کھا کر اور چیتھڑے کپڑے پہنکر زندگی بسر کر رہے ہیں انہوں نے زبان سے نہیں اپنی حرکات سے انہوں نے منہ سے نہیں اشارات سے اپنی کتھا تم کو سنائی اپنی مصیبت تم کو بتائی مگر تمہارا دل نہ پسیجا مگر اس روزہ کے طفیل تمہارے بچہ کی بدولت اور اس رسم کے صدقہ میں ان کا تن ڈھکے گا اور ان کا پیٹ بھرے گا +

حسن میاں بچہ کو روزہ رکھواؤ اور گڑ گڑا کر معبود حقیقی سے التجا کرو کہ وہ اس کی بہار تم کو دکھنی نصیب کرے اسکی عمر میں برکت دے اور اس کا صدمہ تم کو نہ دکھائے محتاجوں کو کپڑے پہناؤ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ روؤ اور گڑ گڑاؤ کہ اے حاکم حقیقی میری التجا سن اور جو بچہ آج روزے کا دولہا ہے اسکو دلہن کا دولہا بننا نصیب کر۔

(۲۲)

شوہر کی بیکاری کا زاہدہ کے دل پر ایسا کاری زخم اور گہرا صدمہ تھا کہ گو باپ کی طرف سے کم اور ماں کی طرف سے کافی ساس کیطرف سے تھوڑی اور سسر کی طرف سے معقول مدد اس کو مل رہی تھی۔ مگر وہ رعایت مصیبت اور سلوک عذاب سمجھتی تھی۔ مجبور لیتی اور لاچار صرف کرتی۔ مگر دو چار دفعہ نہیں یہ اس نے بار ہا کہا کہ میاں کی کمائی کا ایک پیسہ اس ڈھیر سے اور سوکھی روٹی اس قورمہ سے افضل اور بہتر ہے مگر کا خیال کسی نہ کسی ذریعہ سے میاں کے کان تک پہنچتا اور یہ کچھ نہیں کہ وہ اس سے متاثر نہ ہوتا اسکی ... بلکہ یہی

تھی اور وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ بڈھے باپ اور امیر خسر کی کمائی میں خواہ مخواہ سا بچھا اڑانا انتہائے بے حمیتی ہے۔ مگر کرتا کیا دن دن بھر مارا مارا پھرا یات رات بھر نمازیں پڑھیں مگر روزگار نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ احسان کی وہ شوں شاں اور طمطراق سب پہاڑی تک تھی۔ گھر آ کر ادھر تو روپیہ کا لوٹا ادھر دوستوں کے کچھ کے اور سب سے بڑی مصیبت پریشانی غرض وہ صاجبیت تو پہاڑ سے چلتے ہی چلتے کم ہو گئی رستہ میں اور بھی جھوجھری ہوئی اور گھر پہنچکر تو وہ ہی کورا احسان تھا جیسے گئے ویسے آ گئے مصیبت بے غیرت کا تو ذکر نہیں وہ آفت ہے کہ بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں مروڑ کر نیچے جھکا دیں۔ احسان نرکس گنتی میں تھا دو چار دن تو ذرا اکڑا رہا۔ مگر پھر جو جھکا تو یہ حال تھا کہ تہجد اور اشراق تک۔ ناغہ نہ کرتا زاہدہ پہلے ہی وظیفہ اور تسبیح کی اتنی دلدادہ تھی کہ بچپن ہی میں کنبہ بھر جھجن جھجن کہتا تھا۔ اور اب تو یہ حال تھا کہ حصن حصین کا ختم یا غفور کی تسبیح یا مستجاب کا وظیفہ دن رات تھا۔ بہرحال میاں بیوی کی التجا کا اثر تھا یا صرف میاں کی کوشش کا نتیجہ احسان کو ایک جگہ ملی اور اچھی ملی ہم اس موقعہ پر زاہدہ کی تعریف جس قدر کریں وہ کم اس نے پہلی تنخواہ ہاتھ میں آتے ہی غربا کو کھانا کھلایا اور تمام عزیز واقارب کو جمع کیا۔ مولود شریف پڑھا اس سلسلہ میں وہ دونوں پھوپھی بھتیجیاں حسین اور منیرن جو شاہدہ کے ؛ تھوں حوالات میں پہنچی تھیں جس وقت آئی ہیں اور زاہدہ مہمانوں کو چھوڑ اندھی رحیمن کو لینے گئی ہے تو ہر متنفس اسکا مداح تھا۔ ذکر ولادت کے بعد زاہدہ نے یہ تقریر کی ؛

بزرگ ماؤں اور عزیز بہنو! آپ نے حضور اکرمؐ کے حالات سن لئے اور دیکھ لیا کہ وہ ذات پاک جو غریبوں ملجا اور یتیموں کا ماویٰ ہے کس طرح دنیا میں آئے۔ اور کیونکر یہاں سے رخصت ہوتے۔ اس پاک زندگی کا ہر واقعہ اور واقعات کا ہر حصہ ہم کو اسلام کے معنے بتا رہا ہے۔ سرورِ عالم کے بعد خلفائے راشدین کا دور ہم سے باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مذہب کو ساتھ لیکر دنیا میں ترقی کی۔ تاریخ بخت بڑا شاہد ہے

جس نے ہم کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اسلام کی منحوس گھڑی وہ تھی جب مسلمان مذہب سے علیحدہ ہوئے مصیبت کی گھٹائیں اسیوقت سروں پر چھائیں افلاس کے پنجے اسی عالت میں تیز اور ذلت کے پہاڑ اسیوقت چاروں طرف سے نمودار ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہم جو علوم و فنون میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ جاہل مطلق بن گئے خدا غریق رحمت کرے سر سید کو کہ انہوں نے بدنصیب قوم کی جو عرصہ حیات میں دم توڑ رہی تھی نبض دیکھی اور مرض پہچانا۔ نسخہ لکھا اور دوا دی۔ خدا کا لاکھ احسان ہے کہ ہم اپنے عروج کو تو کیا پہنچے۔ مگر خیر ناسے ہاں ہو گئی لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس جد وجہد کا نتیجہ حسب توقع خوشگوار نہ نکلا اور اس کی بڑی وجہ یہ ہی ہے کہ مذہب کا لحاظ کامل طور پر نہ کیا گیا وہ تجویزیں ختم وہ کوشش پوری اور وہ منصوبے مکمل ہو چکے اور جن دماغوں میں عقل جن آنکھوں میں روشنی اور جن دلوں میں ایمان موجود ہے ان کو اس امر کا اعتراف ہے کہ اندھی تقلید اور دہری مذہب نے جو بربادی کا ہیش [illegible] تیا ناس کر دیا۔ اب ہمارے سامنے تعلیم نسواں کا مسئلہ ہے اور یہ کہنا کہ مسلم[illegible] کی اہمیت کو سمجھ گئے غلط ہے آپ کو تعجب ہو گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ مسلمانوں پر [illegible] ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے مخالف تھے۔ مسلمانوں نے تعلیم کے متعلق حضور اکرم ص [illegible] د کو ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھا۔ مگر انہوں نے اس تعلیم کو جو آجکل دی جا رہی [illegible] سمجھا انہوں نے یہ جائز خیال نہ کیا کہ اپنی لڑکیوں کو جن کے جوہر عصمت کے [illegible] میں وہ دنیا کی ہر شے کو ہیچ سمجھتے تھے اپنی آنکھ سے ایک لمحہ بھر کے لئے ا[illegible] کر دیں۔ آج کی دنیا اس کو غلط کہے مگر خیال یقینی معقول ہے لاریب درس[illegible] اور فیصلہ بلا شک صحیح تھا وقت نے ان کو عاجز ضرورت نے ان کو لاچار اور [illegible] زمان کو مجبور کیا۔ دولت ان سے گئی حکومت ان سے چھٹی سلطنت ان سے گئی [illegible] ہے کے سوا چارہ نہ تھا کہ اگر ان کو دنیا میں زندہ رہنا ہے تو اپنے گھروں میں بیٹھکر

اپنے کونوں میں دبک کر اپنے کھنڈلوں میں سکڑ کر اپنی آبرو کو دونوں ہاتھوں سے بنائے بڑوں کی عزت کو کلیجہ سے لگائے خاموش بیٹھیں اور اپنا بھرم رکھیں۔ دولت نہ تھی عزت تھی راج نہ تھا لاج تھی۔ حکومت نہ تھی غیرت تھی۔ مر گئے۔ مگر گھر کی ہوا دنیا سے اٹھ گئے لیکن اپنا بھرم پیوند زمین ہو گئے۔ مگر اپنی بات بگڑنے نہ دی۔ دولت مند بہو ان کو اپنے نقطہ نظر سے نہ دیکھو تم آٹھ سیر کے آٹے اور آدھ سیر کے گھی میں گن ہو وہ غریب دو سیر کے آٹے اور ڈیڑھ سیر کے گھی میں بھی مشکل سے پیٹ بھرتے تھے۔ تم پر صرف اپنی ذات کے حق میں ان بدنصیبوں پر غیروں کے بھی تم کھا کر مطمئن اور پہن کر خوش ہوتی ہو تو وہ کھلا کر خوش اور پہنا کر بشاش ہوتے تھے۔ میں ایسی خوش نصیب نہیں ہوں کہ وہ صورتیں اپنی آنکھ سے دیکھتی۔ مگر ان کے جو رشتے ہیں اور ان ٹکڑوں کے دیکھنے کو ترستی ہوں کیا تم اس سفید داڑھی کو قابل رحم اور اس پیشانی کو جو گھنٹوں سجدے میں رہی ہے لائق ہمدردی نہیں سمجھتیں جس کا منظر میں تم کو دکھاتی ہوں ؛

نماز مغرب سے فراغت پا کر بڑے میاں لکڑی ٹیکتے ہوئے بیوہ پڑوس کے گھر پہنچے اور پوچھا میٹھا تیل منگوا لیا۔

بیوہ۔ جی نہیں آپ ہی کی راہ دیکھ رہی تھی۔ ننھا بھی کہتا ہے میں تھا سب بیسلے کا تیل اور دھیلے کا شربت بنفشہ لا دیجئے۔

ایک ہاتھ میں ٹوٹی بوتل دوسرے میں پچکا کٹورا تیل لائے۔ شربت لائے۔ بیوہ نے کہا اے ہے نانا میں تو بھول گئی ایک پیسہ کے اوپلے بھی لا دیجئے۔

بڑے میاں۔ اچھا بیٹا لاتا۔

رات کا وقت سڑک پر اندھیرا گلی میں ٹوہ ٹٹول کر کھاتے گرتے اور اٹھتے چار دانے ٹٹول کر اپلے سمیٹے ایمان سے تو ان سے گئے ہوتے [illegible] پسینا کانپ جائیں گے کہ بڑے میاں نے اس اندھیرے میں اس [illegible]

ہاں کل قیامت کے روز مجھ سے مواخذہ ہو ایک ایک کرسی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بچے اور لیکر آئے تو بیوہ نے اوپر ملے ایسکو کہا مکان دار آیا تھا۔ کرایہ کا روپیہ میرے پاس رکھا ہے میں نے اُس وقت بات نہیں کی یہ دیتے جائیے۔

بڑے میاں۔ تم نے بہت اچھا کیا لاؤ میں دیدوں گا۔ جوان عورت کا غیر مرد سے بات کرنا کیسا بیٹی ہم نے تو ایک دفعہ مولانا سے یہ سنا تھا کہ کسی موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ اور بی بی عائشہؓ دو نو باپ بیٹی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ تشریف لے آئے اور آپ نے اس تنہائی کو پسند نہ فرمایا۔ بھلا خیال تو کرو صدیقؓ جیسا باپ اور صدیقہؓ جیسی بیٹی کہ بیٹی بھی اور مسلمانوں کی ماں بھی جب یہ صورت ہو تو ہم جیسے گنہگار کس گنتی میں ہیں۔ بیٹی جہاں دو آدمی ہوتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس سے بات نہ کی اس کونہ میں بیٹھی اللہ اللہ کرتی رہو۔ خدا عزت آبرو سے اٹھالے تو سب کچھ بھر پایا۔

میری بہنو! میں تم سے بحث نہیں کرتی ہیں جانتی ہوں کہ وقت تمہارے ساتھ ہے تم جو کچھ بھی کہوگی وہ صحیح اور میں جو کچھ بھی کروں گی وہ غلط مگر تمہارے ایمان پر فیصلہ چھوڑتی ہوں۔ کیا بڑے میاں کی یہ رائے غلط تھی کہ عورت کی عصمت پر تمام خاندان کی عزت کا انحصار ہے اگر نہیں تھی اور ان کا خیال درست تھا تو کیا وہ یہ کر سکتے تھے کہ اپنی جوان بیٹیوں کو کسی ضرورت سے بھی آنکھ سے دور کردیں۔

تمہارا دعوے اب شاید اور بھی مضبوط ہو جائے اور تم کہہ سکو کہ عصمت لٹتی تھوڑی ہی پھر رہی ہے کیا ڈاکہ پڑ رہے ہیں کہ لڑکیوں کو قید کر دو۔ بہنو! تم اس کو قید نہ کہو یہ صرف احتیاط تھی اپنے واسطے نہیں لڑکیوں کے واسطے کہ وہ ہر بلا سے محفوظ اور ہر آفت سے بچی رہیں میں خود کہتی ہوں کہ ڈاکہ نہیں پڑ رہا اور خدانخواستہ تم سے بھی بدظن ہونے کی کوئی وجہ نہیں ظن المومنین خیرا میرا ایمان ہے لیکن امکان پر غور کرو آخر [illegible] ہی مہینہ کا

واقعہ مشن کا ہے تو کس طرح ماباپ پہنچتے اور بیٹھے پھرے بڈھے باپ نے کیا کیا نہ کیا اور اس بڑھاپے نے اسکو کیا کیا نہ دکھایا۔ پھوٹی آنکھ کا دیدہ عمر بھر کی کمائی ایک بچی اور وہ آنکھوں کے سامنے غیروں کے پھندے میں پھنس جاتے بدنصیب باپ پر کیا گذری رہی بتا سکتا ہے۔ مسیوں کے آگے ہاتھ اس نے جوڑے۔ عدالت کے پاؤں میں سر اس نے رکھا۔ بیٹی کی منت خوشامد اس نے کی۔ مگر خاک اثر نہ ہوا۔ جوان بچی کھلم کھلا عیسائی ہوئی اور وہی نتھو چمار جس کو سارا محلہ جانتا تھا عیسائی ہو کر اس کا شوہر بنا۔ قاضی اور ملا کچہری اور عدالت کوئی بھی کچھ نہ کر سکا لڑکی اپنی مرضی کی مختار ہے میں تم ہی سے پوچھتی ہوں کہ اگر ماباپ مشن میں نہ بھیجتے تو یہ دن کیوں دیکھنا نصیب ہوتا تو اس سے تم کو انکار نہیں اور ہو سکتا بھی نہیں۔ کہ تعلیم نسواں میں اندیشے کا امکان ممکن ہے ایسی حالت میں وہ لوگ بدقسمتی سے چونکہ عصمت کو عورت کا سب سے بڑا جوہر سمجھتے تھے۔ انہوں نے موجودہ ذریعہ تعلیم قابل اطمینان نہ سمجھے جس کا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ وہ تعلیم نسواں کے مخالف ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ بلکہ اصلیت وہ احتیاط ہے جو میں نے بیان کی اب تم کو پھر ایک بات کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ حصول علم اسلام کا مسئلہ فیصلہ ہے جس میں مرد کی تخصیص نہ عورت کی۔ انہوں نے محض اپنے وہم پر عورت کی تمام زندگی قربان کر دی اور اس کو جاہل رکھ کر قوم کو وہ نقصان پہنچایا جسکی تلافی صدیاں بھی مشکل سے کریں گی ؎

مجھے اعتراض کے پہلے حصہ سے اتفاق ہے اور میں اعتراف کرتی ہوں کہ تحصیل علم کی کوشش اسلام کا فیصلہ قطعی ہے۔ مگر میں اس کے ساتھ اتنا ضرور کہونگی کہ اسیوقت تک اسی حال میں اور اسی صورت میں کہ ہمارے مذہب پر آنچ نہ آئے جب ہمارے مذہب پر نوبت آئی تو ہم وہ لوگ ہیں کہ علم کیا تو بہ توبہ نعوذ باللہ . . . .

خیر میں کچھ اور تو نہیں کہتی اپنی زندگیوں تک کو قربان کر دیں۔

اگر تعلیم نسواں کو مذہب پر قربان کیا تو کیا گناہ کیا وہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کے اتنے مدرسے موجود نہیں اتنی استانیاں میسر نہیں اتنے انتظام ممکن نہیں وہ سنتے تھے کہ مشن کی پڑھنے والیاں اذان کے وقت انجیل کے سبق رٹ رہی ہیں وہ دیکھتے تھے اور سنتے تھے وہ جانتے تھے ان کو معلوم تھا کہ موذن کے الفاظ فضائے ہوا میں گونج رہے ہیں اور نیند کے متوالوں کو جگا جگا کر حق کیطرف بلا رہے ہیں. مگر کواری بچیاں جوان اور ہوشیار تکیہ کے نیچے سے کتاب نکال کر چھپا چھپ حفظ کر رہی ہیں۔ کہ "خداوند یسوع مسیح" ان کے علم میں تھا کہ یہ ان مرنے والوں کی بچیاں ہیں پیغام حق جن کے کلیجے دہلا دیتا تھا۔ کلمہ پڑھکر اُٹھ بیٹھتی تھیں۔ اور کڑکڑاتے جاڑوں میں وضو کر کے سجدوں میں گڑگڑا۔ گڑگڑا کر احکم الحاکمین کی وحدانیت کا اعتراف کرتی تھیں ؛

میری بچیو! کواری بیٹی کو دلہن بنا کر پالکی میں بٹھا دو۔ وداع کردو میت کو نہلا دھلا چارپائی پر لٹا کر رخصت کردو۔ مگر وداع مذہب آسان کام نہیں جو لوگ اس کو جدا کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہ ہو۔ مگر انکی حالت پر ابھی رونے والی آنکھیں دنیا میں موجود ہیں یہ دو چیزیں عصمت اور مذہب مسلمانوں کے سامنے تھیں اور یہ میں ترازو کا ایک پلڑا یہ تھا اور دوسرا تعلیم نسواں واقعات تمہارے سامنے ہیں ترازو اپنے ہاتھ میں لے لو اور بتا دو کہ کدھر کا پلڑا وزنی ہے اور بڑے میاں کیا کریں ؛

یہ میں نے منوا دیا۔ مگر واقعہ جو تم سمجھ رہی ہے وہ نہیں انہوں نے تعلیم نسواں کو ہرگز نہیں چھوڑا وہ صرف ایسی تعلیم کے مخالف تھے جو ان کے اصولوں سے علیحدہ تھی وہ پڑھانے تھے سکھاتے تھے اور بتاتے تھے کہ دنیا میں کیونکر رہنا اور کیا کرنا ہے۔ میری بہنوں کا ہر گھر مکتب اور ہر محلہ مدرسہ تھا یہ مبالغہ نہیں ہر پڑھی لکھی عورت کا اک محلے کے بچوں کو پڑھاتے اب وہ حال نہ رہا مگر اس کے دیکھنے والے موجود

ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بغل میں تکیہ اور پارے لئے علی الصباح اُستانی کے یہاں پہنچ گئیں یہ اپنا ہی محلہ اور دیوار بیچ گھر ہے مائیں آ اور جا رہی ہیں دیکھ اور بھال رہی ہیں۔ دیکھ اور بھال رہی ہیں کہ تعلیم کیونکر ہو رہی ہے۔ پڑھنا لکھنا سینا پرونا کھانا پکانا جو آج میسر نہیں آ سکتا وہاں باتوں باتوں میں حاصل ہوتا تھا۔ تم مشکل سے اور شاید دس پانچ منٹ میں کاغذ اور قلم۔ پنسل اور سلیٹ پر لکھ کر بتاؤ گی کہ وہ تمہارے سامنے انگلیوں پر حساب کر کے بتا دیں گی کہ دو روپیہ ساڑھے چھ آنے گز کا کپڑا ایک گز ساڑھی سات گرہ کتنے کا ہوا۔ تم کو سوچنا پڑے گا کہ پونے چودہ چھٹانک کا گھی سات پیسہ کا کتنا ہوا۔ مگر وہ چٹکی بجاتے ہی بتا دیں گی۔ اگر تم کو تعجب ہو اور تامل تو یہ میری نانی اماں بیٹھی ہیں ان کا امتحان لے لو۔

تو بہنو! انھوں نے ہرگز ہرگز تعلیم نسواں کو ہاتھ سے نہ دیا تعلیم دی اور وہ تعلیم جو اسلام کا عین منشا تھا خیالات بدلنے امنگیں پیدا ہونے اور کینچلی ٹلنے نہ دی مذہب کو مقدم رکھ کر ہر ضرورت کو اس کے تحت میں سمجھا اب بھی مسلمان لڑکیوں کو تعلیم دے رہے ہیں اور پہلے بھی دیتے تھے۔ مگر اس طرح کہ مذہب ہاتھ سے نہ جاتے مسلمان بیبیوں کا وہ فریق یا مردوں کا وہ گروہ جو صرف تعلیم کو مقدم سمجھ رہا ہے میں جانتی ہوں کہ زمانہ کی رفتار اس کے ساتھ ہے وہ جو کہے درست مگر حق یہ ہے کہ ان کو علم صرف اتنا ہی حاصل ہو گا کہ ٹوٹا پھوٹا خط لکھ لیں یا اعلیٰ لباس پہن کر تفریح کر لیں۔ بہت تیر مارا تو کسی شہر کا نام انگریزی میں لکھ لیا۔ مگر یہ جو کچھ اس طریقہ تعلیم سے حاصل ہو گا اس زبردست قربانی کے بعد جس کا نام مذہب ہے ؎

تقریر ختم کرتے ہی زاہدہ آگے بڑھی ایک کشتی اٹھائی جس میں دو نئے جوڑے اور کچھ روپے تھے۔ یہ حسین کے پاس آئی اور کہا میں ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ خدا را شاہدہ بدنصیب کا قصور معاف کیجئے۔ یہ صرف آپ کی آہ کا اثر ہے کہ وہ کمبخت آج تک نہ پہنچی

رحیمن نے زاہدہ کو گلے سے لگالیا اور کہا میں ایک معمولی ماما ہوں اس قابل نہیں کہ آپ مجھ کو اس طرح شرمندہ کریں بچی خدا تیری عمر دراز تیرا گھر آباد اور تیری ماکا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ چھوٹی بیوی کا نام میرے سامنے نہ لو۔ میری آبرو ان کی بدولت میری لاج ان کے ہاتھوں میری عزت ان کے طفیل غارت۔ برباد ضایع ہو چکی۔ اور آج تک میری بچی کو برنہ جڑا میں جیل خانہ پہنچی۔ حوالات میں رہی۔ گرفتار ہوتی بیوی اس سے زیادہ اذیت اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔ رات کے وقت میری بچی کواری میری آنکھ سے اوجھل ہوتی میں اپنا کلیجہ مسوس کر رہ گئی۔ وہ طاقت ور ہیں دولت مند ہیں تعلیم یافتہ ہیں معزز ہیں میں کمزور ہوں۔ غریب ہوں جاہل ہوں۔ ذلیل ہوں۔ میں جواب دے سکنے قابل اور بدلے کے لایق نہیں۔ مگر مسلمان ہوں یقین کرنا کہ جس کی میں پرستش کر رہی تھی اور جس کے آگے پانچ وقت سر جھکاتی ہوں وہ شاہدہ بیوی سے بہت زیادہ طاقتور ہے اور وہ وقت دور نہیں کہ میرا بدلہ لے گا اور دکھا دے گا کہ کمزور ہستیوں کے ظلم میں کچھ پوشیدہ بھی ہے اتنا کہکر رحیمن کی طبیعت بگڑ گئی اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے کھڑی ہو گئی ہر چند سب نے روکا۔ مگر اس کی حالت ایسی خراب ہوئی کہ وہ نہ ٹھیری اور چلدی۔

شام کے وقت مہمان اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے۔ دوسرے روز صبح کے وقت جب زاہدہ میاں کو کھانا کھلا چکی تو پندرہ روپے دیتے اور کہا آج ہی دلہن بیگم کو روانہ کر دو۔

احسان۔ نہیں ہرگز نہیں :

زاہدہ۔ نہیں یہ فیصلہ غلط ہے۔ وہ نکاح میں ہیں اور ان کی خبر گیری تمہارا فرض دنیا کے دھندے چل رہے ہیں چلے جائیں گے۔ مگر خدا کے ہاتھ کچھ اپنے سپرد رکھو :

احسان بیوی کی انسانیت کا معترف پہاڑ پر ہی ہو چکا تھا۔ یہاں پہنچکر جب یہ دیکھا کہ زاہدہ ملازمت سے زیادہ بیکاری میں نشتر زنی ثابت ہوئی تو اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ اس وقت زاہدہ نے یہ تقریر کی تو ان تمام مظالم کی تصویر جو احسان نے پہاڑ پر توڑے آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ اور اس نے سوچا کہ انتہائے انسانیت ہے اور صرف جوہر قدامت کہ جس شقی القلب عورت کے ہاتھوں اس غریب پر یہ کچھ گذر گئی چڑ بنی، بیکار ٹھیری، گھر چھوٹا، بار چھوٹا اس وقت بھی اس کی سفارش کر رہی ہے۔ یہ خیال آتے ہی بے ساختہ احسان چیخ اٹھا کہ بیشک زندگی تم ہی جیسی بیویوں سے سرسبز ہے۔ تم عورتیں نہیں جنت کی حوریں ہو کہ انسانی ہیئت میں شوہروں کو جنت کا نمونہ دکھایا ؂

احسان کی حالت کا انقلاب عارضی تھا جو بیوی نے چند ہی روز میں درست کر دیا اور وہ شخص جو پہاڑ پر صرف دنیا ہی کو زندگی سمجھتا تھا بیوی کی طفیل اتنا دین دار ہوا کہ گھر سے دفتر تک جاتا تو درود شریف پڑھتا ہوا دل میں خلوص اور نیت نیک تھی۔ خدا کی رحمت نازل ہوئی اور ایک دو ہی سال کے عرصہ میں احسان دو سو روپیہ ماہوار پر پہنچ گیا ؂

(۲۳)

سنا ہے کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ مگر شاہدہ کی یہ انتہائے بے حمیتی ہے کہ حسن جیسا عاشق زار شوہر اور مخلص رفیق جو قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتا ایسا بیزار ہوا کہ صورت زہر معلوم ہونے لگی۔ بچہ جو آنکھوں کا تارا اور کلیجے کا ٹکڑا تھا غیروں کی مانند الگ تھلگ رہتا اور دشمنوں کی طرح گھورتا۔ باپ جو صورت کا عاشق اور نام کا دیوانہ تھا مہینوں آکر نہ جھانکتا۔ حسن شروع شروع تو بیوی سے دو قدم آگے ہی تھا اور اگر وہ خلافت اور ترقی کی دلدادہ تھی تو یہ پردے کا دشمن اور ترقی کا حافظ مگر دافعات

نے تھا اور حالات نے سمجھا دیا کہ یہ جدت کا دور دیکھنے ہے۔ مگر اندر سے زہر ہلاہل سے ہے طبیعت بھی خیال پلٹا اسے بدلی۔ ادھر ساس اور سالی دونوں کی زندگی جو کبھی جنت تھی برکت تھی۔ پتہ لگ اور سر ہل گیا۔ کہ قدامت کہنے کو جہالت مگر درحقیقت امرت ہے اور یہ ترقی کے نعرے دیکھنے میں پیارے ہوں مگر آگ کے شرارے ہیں ترقی اگر ممکن ہے تو صرف مذہب کے ساتھ اور مذہب جاہلوں کا پڑھے لکھوں سے بہتر ملے گا تو ان ہی غریبوں میں رہے گا تو ان ہی مفلسوں میں اور ختم ہوگا تو ان ہی بیچاروں پر

خدا کی قدرت تھی کہ وہی حسن جو ترقی کے نعرے لگاتا ہوا چاروں طرف پھر رہا تھا جس کی تحریر اور تقریر جس کا گھر اور بار جس کی بیوی اور بچے جدت کا مکمل نمونہ تھے جس کے گھر سے جس کی زبان سے رقص کے سوا کبھی خدا کا نام نہ نکلا اس خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتا کہ دیکھنے والے تعجب کرتے۔ شاہدہ اسکی نماز پر اسکی دعا پر ہنستی مسکراتی تعجب کرتی اور اچنبا سمجھتی وہ دل ہی دل میں دانت پیستا تیوری چڑھاتا۔ دیکھتا جو ہوتا اور سنتا جو کہا جاتا۔ مگر زبان سے ایک حرف نہ کہتا۔ اتفاق دیکھو کہ کلب کا ہوا سالانہ جلسہ دور دور سے آئی عورتیں۔ دھواں دھار ہوئیں تقریریں اور صدر جلسہ نے اپنی چھپی ہوئی تقریر اس طرح علی الاعلان پڑھی۔

ہمارا جہالت کا زمانہ ختم ہوا ہم میں جو چند پرانی عورتیں زندہ ہیں وہ چند روز کی مہمان ہیں اور مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا اب فرض ہے کہ وہ کوشش کریں جو ہماری لڑکی کو تعلیم یافتہ بنا دے اتفاق کی بات ہے کہ بہن کے بے حد اصرار سے اس جلسہ میں زاہدہ بھی چلی گئی تھی اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ اس کا پہلا اور پہلا موقعہ اور پہلا اتفاق تھا ورنہ وہ کہاں اور جلسہ کہاں۔ سر منڈاتے اولے پڑے پہلی ہی شرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے کے کلفت ہوئی۔ تقریر

سنتے ہی بدن میں آگ لگ گئی۔ بھری بیٹھی تھی۔ کم بخت کی شامت آئی بادشاہ کہیں رخ گیا۔ شاہدہ اس وقت پورے زوروں پر تھیں اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کے حمایتی موجود تھے بہن سے کہا آپ کیوں خاموش ہو گئیں۔ کچھ فرمائیے تو فرمایئے۔

صدر جلسہ۔ ہاں ضرور ضرور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے زریں خیالات سے مستفید ہوں ⁂

دوسری لڑکیاں۔ بیشک بیشک۔ محترمہ ضرور کچھ ارشاد ہو آپ کی بہت تعریف سنی ہے ⁂

شاہدہ۔ آپ سب بیبیاں خاموش ہو جائیں۔ میری ہمشیرہ محترمہ مسز احسان کچھ فرمانا چاہتی ہیں ⁂

بیبیاں خاموش ہو گئیں اور سب کی شرماشرمی زاہدہ کھڑی ہوئی اور کہا:۔

بہنو! مجھے آج آپ کے جلسہ میں شریک ہو کر خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی خوشی اس بات کی کہ بہنوں میں اپنی حالت کی پستی کا احساس شروع ہے اور امید ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بہت کچھ ترقی کریں گی اور افسوس اس امر کا کہ جہاں صدر جلسہ کی تہذیب یہ ہو کہ نانیوں اور دادیوں کو جاہل کہنے میں تامل نہ ہو وہاں حاضرین تو بابا آدم اور حوّا کو بھی جو کچھ نہ کہیں وہ تھوڑا۔

میں اس وقت کسی تقریر کے واسطے تیار نہیں ہوں اور اس لئے حامیان جلسہ کی طرح میرے پاس کوئی لکھی ہوئی تقریر موجود نہیں جو میں طوطے کی طرح رٹ کر آپ کے روبرو پڑھ دوں۔ میں صدر جلسہ صاحبہ سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں ⁂

بڑی بوڑھیوں کو جاہل کہدینا صرف زبان کا ایک سیکنڈ کا کام ہے۔ اس میں ہلدی لگتی ہے نہ پھٹکڑی۔ جو لوگ خدا کے منکر ہیں ان کو بھی یہ کہنے میں کہ خدا کوئی

نہیں کچھ زیادہ سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صدر صاحبہ نے نہایت اطمینان سے پورانی عورتوں کو جہلا میں شامل کردیا میں اس سے پہلے بھی یہ لغو جملہ بعض لڑکیوں سے سُن چکی ہوں۔ مگر بحث یہ ہے کہ کیا زبان سے کسی کو کچھ کہدینا کافی ہوسکتا ہے اگر میں اس وقت یہ کہوں کہ میں عورت نہیں مرد ہوں تو کیا یہ میرا کہنا صحیح ہوگا۔

ضرورت ہے کہ ہر دعوے کے ساتھ ثبوت ہو۔ زیادہ سے زیادہ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہالت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ ان کے عقیدے درست نہ تھے وہ تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکوں وغیرہ کی قایل تھیں۔ وہمی تھیں بہت سی کمزور باتیں ان کے تمدن میں شامل تھیں۔ مگر میں کہتی ہوں یہ صحیح نہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ وہ وہمی تھیں۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ان کے بعض عقیدے کمزور تھے مثلاً ان کو وہم تھا کہ سیتلا جس بچہ کو نکل رہی ہو۔ اس کے پاس دھوبن نہ آئے یا بچہ کے پاس دھوبن نہ آسکے ورنہ بہت بُرا ہوگا۔

یہ یا اس قسم کی اور باتیں ہیں جو ثبوت میں پیش ہوسکتی ہیں۔ مگر کیسے افسوس کی بات ہے کہ دیدہ و دانستہ جان بوجھکر انصاف کی آنکھوں پر ہٹ دھرمی کی پٹی باندھی جاتی ہے۔ پھولوں کو کانٹے اور موتیوں کو پتھر ثابت کیا جارہا ہے۔ کیا کوئی ذی عقل اس سے انکار کرسکتا ہے کہ احتیاط کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی شے وقعت رکھتی ہے۔ ایک بچہ کو چیچک نکل رہی تھی۔ رات دن اس کی گود میں لیے رہتی ہے اگر اس کو یہ یقین دلایا گیا کہ دھوبن کا آنا بچہ کے واسطے مضر ہے تو وہ زبردست احتیاط اور روک تھام کی گئی جس کا عشر عشیر بھی آج نہیں ہوتا۔ بچہ چیچک میں ہے ماخوذ تو مرض میں گرفتار ہے نہیں۔ مگر مرض متعدی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس پر بھی اثر ہوگیا ہو۔ قوی شبہ ہے کہ گھر کے کپڑوں میں اثر موجود ہو۔ اگر یہ کپڑے دھو... دیدیے گئے اور اس ذریعہ سے جراثیم ان تمام کپڑوں میں پہنچ گئے جو دھوبن ... ال

موجود ہیں تو تمام شہر اسی مرض میں گرفتار رہو جائیگا۔ بتاؤ یہ جہالت ہے۔ یا علمیت کیسی اچھی طرح ایک بات بتادی ان کے ذہن میں تو یہ باتیں بطور عقیدہ کے ہوتی تھیں مگر وہ ان تمام باتوں کی اصلیت کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتی تھیں یہی کیفیت زچہ او بچہ کی ہے۔ دھوبن کے یہاں کسی ایسے ویسے گھر سے کپڑے آئے جہاں مرض متعد ہے تو اس کو زچہ بچہ کے پاس نہ آنا چاہیے۔ بچہ نازک ہے اور بہت جلد اثر قبول کر لیگا جس بات کو تمہارا جی چاہے لے لو جہالت نہیں پوری علمیت ثابت ہوگی اور جن علوم کا تم نے فقط نام ہی سنا ہے وہ اس طرح ان سے ماہر ہوتی تھیں :

تم کہتی ہوگی کہ یہ باتیں انکی گھٹی میں اس طرح پڑ گئیں تھیں کہ وہ اسکی اصلیت کو بلا سوچے سمجھے پتھر کی لکیر سمجھتی تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہوگا میں مسلمان عورتوں کی تو کہتی نہیں مگر شریف خاندان کی خواتین ان گروں سے اچھی طرح آشنا تھیں رہے گنڈہ تعویذ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ یہ رغبت ان میں نسبتاً زیادہ تھی لیکن اسکو میں جاہلیت سے منسوب نہیں کر سکتی اور یہ کہونگی کہ دنیا سے نایاب ۔ خدا کے خاص بندوں سے کبھی خالی نہ رہی اور تاریخ مسلمانوں میں اُن پاک نفوس کا وجود ثابت کر رہی ہے جن سے یہ توقع کیجا سکتی تھی کہ ان کی التجاؤں کا بارگاہ صمدی میں قبول ہونا زیادہ ممکن ہے یہی ہے وہ رجوع جس کو تم گنڈے تعویذوں سے تعبیر کر لو۔ مگر یہ سُن لو کہ زمانہ کی موجودہ ترقی کے ساتھ ہی ایسے لوگوں کی تعداد بھی بڑھی جو درحقیقت کچھ نہ تھے مگر وہ دنیا کے سامنے اس لباس میں جلوہ گر ہوئے۔ اسوقت ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی اور ان کا یہ عقیدہ اس زمانہ میں مضر نہ تھا۔ تم اس عقیدہ کو فرضی کاملین کی تراشو میں نہ تولو بلکہ حقیقت کا وزن بھی دو۔ جدید کے ایک اعتراض کا جواب میرے پاس نہیں کہ مذہب ہی جہالت ہے یہ آپ زبان سے نفسرا تیں مگر واقعات آپ کے اس خیال کی تائید کر رہے ہیں۔ اگر مذہب کا نام جہالت ہے تو یہ جہالت انہیں

ضرور موجود تھی۔ غالباً ترقی سے آپ کا مقصود یہی ہے کہ جہالت یعنی مذہب تدریج
کم ہو۔ اسمیں آپ کو ضرور کامیابی ہوئی اور مذہب کی عظمت روز بروز گھروں سے
اُٹھ رہی ہے۔ جاہلوں کا یقین یہ تھا کہ جس گھر میں بارہ برس کی لڑکی بے نمازن ہو وہاں
رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ لڑکے جب تک تاش کھیلیں شیطان انکے ساتھ رہتا
ہے۔ اگر صبح اُٹھکر نماز سے فارغ ہو کلام اللہ پڑھا جائے تو دن ہنسی خوشی گذرتا ہے
رات کو سوتے وقت بچھونوں میں لیٹ کر کلام اللہ پڑھ پڑھکر مردوں کو پہنچاؤ کہ ان کو
ثواب ملے اور عذاب میں تخفیف ہو۔ دسترخوان سے اگر کسی غریب مسکین کو کھانا چلا
گیا تو کھانے کا حساب نہ ہوگا وعظ اور ذکر ولادت گھر میں اکثر ہونا چاہیئے کیونکہ اسوقت
رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ بارہ برس سے کم کے بچے اگر بغیر نماز یاد کئے
مر گئے تو ان کا عذاب ماں باپ پر ہوگا رات کو سوتے وقت آیت الکرسی پڑھکر سوؤ
تو ہر قسم کے ڈر اور خوف سے محفوظ رہوگے شیطان کو سب سے زیادہ اذیت معصوم
[illegible] ہوتی ہے۔ کواری لڑکیوں کو جوان لڑکوں سے ہنسکر بات نہ
کرنی چاہیئے۔ سرور کائنات نے حضرت صدیق رضؓ کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے
ساتھ حالانکہ وہ تو باپ بیٹی تھے بیٹھے دیکھکر پسند نہ فرمایا سفید بالوں کا ادب کرو
انکی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ بڑا نوالہ کھاؤ بڑا بول نہ بولو۔ یعنی غرور نہ کرو۔ بچہ کو گود
میں اٹھاؤ تو بسم اللہ کہکر تاکہ یہ آواز اُسکے کانوں میں پڑے۔ درود شریف پڑھنے
سے گھر میں برکت ہوتی ہے۔ غالباً جہالت سے آپ کا مقصد یہ عقاید ہیں اور
مجھکو یہ حق حاصل ہے کہ میں آپ کو مبارکباد دوں کہ آپ کی کوشش کامیاب ہوئی
اور یہ جہالت اب بہت کم ہو گئی۔ یہ آوازیں اب مسلمان بہت کم سنتے ہیں۔ جاہل
بیویوں کا انحصار اس شخص کے الفاظ اور ارشاد پر تھا جو خاک عرب سے اُٹھکر
تمام [illegible] زمین پر ڈنکا بجا گیا کہ جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے وہ خدا کے نزدیک

اچھا اور جو مخلوق سے بُرا ہے وہ خدا سے بھی ان کی کوشش یہ تھی کہ مرنے کے بعد جن لوگوں سے زندگی میں سابقہ پڑا ہے وہ ان کی موت پر روئیں مجھے معاف کرنا۔ اگر میں کہوں کہ تعلیم یافتہ بیویوں کے کارنامے ان کی زندگی میں اخباروں اور رسالوں میں چھپنے کو تو واقعی ہیں لیکن ان کو رونے والے غیروں میں کوئی نہیں اسلئے کہ اسکے وجود سے حقیقی مسرت کسی ایسے متنفس کو نہیں پہونچی جس کو توقع نہیں تھی۔ مجھکو اپنی بڑی نانی اماں یاد ہیں میں دس سال کی تھی اور جو منظر اس وقت میری آنکھوں نے دیکھا عمر بھر یاد رکھونگی۔ رات کو تین بجے انھوں نے انتقال کیا اور صبح تک یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی۔ جنازہ صحن میں رکھا تھا کہ محلہ کی غریب عورتیں لپٹ لپٹ کر چیخیں مارنے لگیں یتیم بچے چارپائی سے لپٹ گئے رانڈیں قبرستان تک پچھاڑیں کھاتی ساتھ گئیں میں بچہ تھی۔ سمجھ نہ سکی بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی کی تنخواہ مقرر تھی کسی کا کپڑا کسی کا کھانا وہ جاہل تھیں۔ مگر ایسی جاہل کہ آج ان کے شاگرد شہر میں ایسے جید حافظ موجود ہیں جو ہر سال تراویح میں ان کی جہالت کے کارنامے بلند کر رہے ہیں۔ شاہدہ نے تو بہن کو زک دینے کا ایک موقعہ تاکا تھا۔ مگر الٹی آنکھیں گلے میں آگئیں۔ قاہرہ کی تقریر سے مجلس میں ایک سناٹا چھا گیا دیکھنے میں تو سب ہی خاموش تھیں مگر بعض دل میں نہال اور بعض بھرنہ ایک لڑکی نے یہ کمال کیا کہ ساری تقریر حرف بحرف قلمبند کر لی۔ یہ تقریر چھپی اور حسن تک بھی پہنچی۔ نیت بھٹکی ہوئی اور طبیعت ڈھلی ہوتی ایک ایک لفظ کلیجہ میں گڑھا اور اس نے عہد کر لیا کہ اب انشا اللہ ایسی ترقی کا نام نہ لونگا جس کی تہ میں نفرت اسلام پوشیدہ ہو اب وہ سب جھگڑوں سے الگ تھلگ ایک کمرہ میں بیٹھا رہتا دن رات کتابیں تھیں اور حسن عورت کی عزت اسلام میں دیکھی تو دل پر یہ نقش بھی ہوگیا کہ بیویاں صرف شوہروں کی حکومت ہی کے واسطے نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح مردوں کے حق عورتوں پر ہیں اسیطرح عورتوں کے مردوں پر اور خدا کا فیصلہ

صداقت سے کہ وہ تمہارا لباس اور تم ان کا اس یقین کے بعد ایمان نے بتا دیا کہ ناہنجار میں بدو
مرد اور گنہگار وہ شوہر جو ان پر زیادتی کرتے اور ظلم توڑتے ہیں ٭

اب حسن کی زندگی عجیب زندگی تھی وقت کا بڑا حصہ علما کی صحبت اور مذہب کی خدمت میں بسر ہوتا کڑکڑاتے جاڑوں کی ان راتوں میں جب ماں باپ شاہدہ کے سرہانے اور پائنتی دہکتی ہوئی انگیٹھیاں روشن کرتیں وہ چار بجے اٹھکر مسجد میں آتا اور اپنے ہاتھ سے نمازیوں کے وضو کا پانی گرم کرتا آدمی خوش الحان تھا صبح کی اذان اس جوش وخروش سے دیتا کہ سننے والے تھرا گئے ۔

اندیشہ تو یہ تھا کہ لڑکے شاہدہ کا ماں کے پاس رہکر اور اس کی شوخی پر اٹھکر ماں ہوگا اور وہ باپ کو مجنوط الحواس سمجھے گا۔ مگر وہ مذہب کے اعتبار سے دوسرا باپ تھا تعجب ہوتا اور خدا کی قدرت یاد آتی تھی کہ جس ماں نے سوا کلب کے کبھی گھر پر خدا کا نام نہ لیا اس کا بچہ اور نگوڑے کی کچھ بساط بھی تو نہیں ۔ بارہ برس کی جان اور ایسا مسلمان کہ جیٹھ بیساکھ کے پورے روزے رکھے ٭

شاہدہ یہ تو اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میاں اور لڑکا دونو میرے ڈھنگوں سے خوش نہیں مگر وہ دونو کو جاہل اور بے وقوف جان رہی تھی ۔ سچ پوچھو تو اس کے دامن پر پہلونٹھی کے بچہ کا قتل ایک ایسا دھبہ تھا کہ وہ بات تک کرنے کا حق نہ رکھتی تھی مگر خدا بیعزتی کا بھلا کرے کبھی آنکھ جھپکی نہ دل نادم ہوا۔ اکڑتی اسیطرح پھیلتی اس سے زیادہ ہماری لئے میں تو بدنصیب کی بربادی کا سارا بار باپ کی گردن پر ہے ۔ یہ صحیح کہ وہ خود راہ راست پر آچکا تھا ۔ مگر جو بیج بو دیئے تھے ۔ اس کے پھل کیونکر غارت ہوجاتے ٭

خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں شاہدہ کی لامذہبی حسن اور شاہد دونو کیواسطے تازیانہ ہوئی اور دونو نے مصمم قصد کیا کہ اپنی زندگی خدا کے واسطے وقف کردیں اور

اور دنیا کو دکھا دیں کہ تعلیم نسواں کیا چیز ہے۔ حسن کے پاس روپیہ کی کمی نہ تھی اُس نے بسم اللہ کہہ کر مدرسہ کھول دیا۔ اور تعلیم شروع کر دی مسلمان استانیوں کا ملنا مشکل تھا جو میسر آگئیں ان کو سر آنکھوں پر رکھا اور جو کمی رہی حسن نے اپنی ذات سے پوری کی انتظام یہ تھا کہ چھ برس سے دس برس تک کی لڑکیاں داخل ہو سکیں حسن ان بچیوں کو خود پڑھاتا۔ لکھاتا اور سکھاتا۔ مذہبی تعلیم ہر لڑکی کے واسطے لازمی تھی اور باقی والدین کی خوشی پر منحصر۔ مدرسہ کا شوق ایسا ہوا کہ حسن بیوی بچے گھر بار سب بھول گیا۔ دن رات وہ تھا۔ اور مدرسہ تھا۔ چند روز میں مدرسہ اس قدر ترقی کر گیا کہ دور دور سے لڑکیاں آئیں اور داخل ہوئیں چار سال کے بعد جو لڑکیاں کامیاب ہو کر نکلیں وہ قوم کا مول تھیں۔ علوم جدیدہ کی مہارت کے ساتھ مذہب۔ انکی رگ رگ میں پیوست تھا اندر کا تمام کام حسن کے سپرد تھا انتظام شاہد کے۔ حسن کی نیت پاک اور کوشش صاف تھی۔ خدا نے برکت دی اور حسن نے دکھا دیا کہ مذہب نظر انداز ہو تو تعلیم نسواں اسلام کا جزو ہے۔

شاہد اب باپ کا برابر کا بازو کامیابی کا راز اور اس کے تمام مقاصد کی جان تھا اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر جو وقت بچتا سب باپ کی کوششوں میں صرف کرتا مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ جاڑوں کا موسم۔ صبح نماز کے وقت اٹھکر نہایا۔ نماز پڑھی۔ وظیفہ پڑھا۔ مدرسہ گیا۔ آیا کام کاج کرتا اور مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف تھا کہ گردہ میں کسک معلوم ہوئی۔ دوپہر تک ٹالتا اور پھرتا رہا۔ مگر ظہر کے بعد تو مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا ایک چیخ آسمان تھی اور ایک زمین۔ ناانصافی ہو گی بے ایمانی ہو گی ظلم ہو گا ستم ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ شاہد نے اس موقعہ پر بھی توجہ نہ کی ماں تھی اور گو خود بیٹے سے تنفر اور بیٹا اس سے بیزار۔ مگر سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ گھبرا کر اٹھی اور بیتاب ہو کر آئی۔ دیکھتی ہے تو بچہ کا رنگ سفید پڑا ہے سناٹے میں آگئی۔ ڈاکٹر حکیم برابر آ رہے جا رہے تھے۔ نسخہ پر نسخہ اور لیپ پر لیپ بدلا جا رہا تھا۔ مگر درد تھا کہ کسی عنوان کم نہ ہوتا

تھا۔ درد بچہ کے گردہ میں تھا اور ماں کا کلیجہ نکلا پڑتا تھا۔ اسکے منہ … رکھتی تھی۔ اس کی کمر کو پکڑتی تھی۔ درد ماں اور بیٹے دونو کو ستا رہا تھا۔ شاہد کی … جسمانی تھی اور شاہدہ کی روحانی۔ مگر شاہدہ کی اذیت بچہ سے کم نہ تھی۔ اسکی ہر جنبش … راہ کے ساتھ بے چین ہوتی۔ روتی بلکتی اور جس وقت کہتا۔

"ہائے اماجان کیا کروں"

تو گلے میں ہاتھ ڈال کر لپٹ جاتی۔ دن یوں ہی اور رات ساری اسی کرب و اضطراب میں بسر ہو گئی۔ شہر بھر کے علاج اور دنیا بھر کے جتن کر ڈالے۔ مگر درد میں فرق نہ پڑا مجبور ڈاکٹر نے نیند کی دوا دی تو ذرا آنکھ لگ گئی۔ شاہدہ کروٹ میں بیٹھی ٹکٹکی باندھے بچے کی صورت دیکھ رہی تھی اور حسن الگ خاموش بیٹھا تھا۔ حسن کا حال جو کچھ بھی ہو۔ مگر شاہدہ کی کیفیت تو یہ تھی کہ دل اُمڈا آتا اور کلیجہ نکلا پڑتا تھا۔ اسکی موت کا خیال ایک بجلی تھی جو سر سے پاؤں تک ایک عجیب حالت پیدا کر دیتی تھی۔ چونک پڑتی تھی اور آہستہ سے اسکے منہ پر ہاتھ پھیر کر ٹھنڈا سانس بھر لیتی تھی۔ شاہدہ ان ہی خیالات میں منہمک اور افکار میں مستغرق تھی کہ مسجد سے صدائے توحید بلند ہوئی اور موذن کی اذان نے رات کی خاموشی کا سلسلہ توڑا۔ چاند مدہم اور تارے پھیکے پڑ کر حیات انسانی کی بے ثباتی کا درس دے رہے تھے۔ اذان سنتے ہی حسن یہ کہکر اُٹھا۔

"حق نام تیرا"

شمع کی بتی سامنے جھلملا رہی تھی کہ شاہدہ کی نظر پڑی اور اُس نے دل میں سوچا یہی کیفیت انسانی زندگی کی ہے۔ سچ یہ ہے دنیا کی ہر طاقت فانی اور باقی رہنے والی ہے تو وہی جو وحدہ لاشریک ہے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ بچہ کی موت کا یقین پھر آنکھ کے سامنے آیا۔ مبتلا تھی۔ یہ پہلا روز بلکہ پہلا اتفاق تھا کہ شاہدہ نے زبردست طاقت کا اعتراف کیا … قصد کیا کہ عاجزی کا سر اسکے حضور میں جھکا کر

بچہ کی سلامتی کے واسطے التجا کروں اٹھی وضو کیا نماز کو کھڑی ہوتی تھی اور اگر نماز ہو جاتی تو یہ پہلا سجدہ تھا جو ایک فرنٹ عورت کیطرف سے خدا کے حضور میں ہوتا۔ مگر بچہ کی اس آواز نے ہائے اماں میری جان نکلی پریشان کر دیا دوڑی اور یہ کہکر آئی ہیں ہیں بچہ کے قربان ؛

بیہوش بچہ کا سر ماں کی گود میں تھا۔ جھنجوڑتی تھی۔ جگاتی تھی۔ چلاتی تھی۔ مگر کوشش بے سود اور بیکار تھی کہ شاہد ماں کی گود میں ایک ہلکی سی سسکی لیکر ختم ہو گیا ؛

(۲۵)

شاہد کی موت کا صدمہ ایسا نہ تھا کہ حسن آسانی سے برداشت کر لیتا لاکھ سنبھلنے کی کوشش کرتا۔ مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا تھا۔ کھانا پینا چھوٹ گیا۔ ہر وقت وہ تھا اور قبرستان۔ نیند بھوک اڑ گئی۔ شاہد کی یاد تھی اور بچہ کے غم میں بچوں کی طرح روتا۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے تکتا اور کہتا للہ شاہد کی صورت دکھا دو۔ طبیعت نڈھال اور دماغ خراب ہو گیا۔ قبر کو چمٹتا۔ تعویذ کو پیار کرتا۔ درختوں سے سر پھوڑتا۔ خاک کو آنکھوں سے لگاتا۔ روتا۔ بلبلاتا۔ چیختا۔ پیٹتا۔ پرندوں سے گڑگڑاتا۔ بادلوں سے ملتجی ہوتا۔ چاند سے خطاب کرتا۔ سورج سے سوال کرتا۔ دن بھر جنگل کی خاک چھانتا اور رات بھر قبرستان میں واویلا مچاتا۔ چند روز میں ایک ہڈیوں کا ڈھانچ تھا جس میں سوائے سانس کے کچھ نہ تھا۔ سرخ و سفید رنگ جھلس کر سیاہ اور ہاتھی جیسا ڈیل سوکھ کر کانٹا ہو گیا ؛

چار پانچ مہینہ اسیطرح بسر ہوئے اور اب حسن کو یقین ہو گیا کہ جس خدا نے زندگی میں میرا لال مجھ سے جدا کر دیا وہ مرنے کے بعد مجھ سے ملا دیگا۔ دس ہزار روپیہ کی جائداد بیوی کو دی باقی تمام اثاثہ مدرسہ کے نام وقف کر دیا۔

حسن کی مصیبت سے شہر بھر کو ہمدردی تھی۔ مگر مصیبت ہی ایسی تھی جسمیں سب مجبور

دلاچار تھے۔ اسکی صورت دیکھکر ہر شخص کو رحم آتا اسکی حالت دیکھکر دیکھنے والوں کا کلیجہ
کٹتا۔ آدمی ان کا ... ٹرا ہے۔ غذا ہوتی نہیں دوا ہوتی نہیں چارپائی سے لگ گیا
اور نوبت ... پہونچی کہ ہر وقت بخار رہنے لگا اب اگر آمدنی تھی تو صرف اس جائداد
کی جو ... ے نام تھی اور یہ کہنا جائز ہوگا کہ میاں سے نا امید ہو کر اور یہ سمجھکر کہ
ہنے والی اور صحت ملنی نہیں اس نے اس کے علاج پر توجہ نہ کی مدرسہ کا وقت
شاہدہ کے بعد دوسرا صدمہ تھا جسے جہان سے بالکل ہی بیزار کر دیا دنیا بدل گئی اور زمانہ
پلٹ گیا۔ شاہد جیسا لال گہری گور میں جا سویا اور حسن جیسا جوان قبر کے کنارے جا
پہنچا۔ مگر نہ فرق آیا مطلق تو شاہدہ کے ڈھنگوں اور وطیروں میں ہی کلب کے جلسے
وہی ترقی کی دھن اور وہی مذہب سے نفرت حد یہ ہے کہ میاں کے مرض الموت میں بھی
اسکی تفریح ناغہ نہ ہوئی۔ گھنٹوں حسن اکیلا پڑا رہتا اور کوئی اتنا تک میسر نہ ہوتا کہ حلق
میں پانی ٹپکا دے۔ دوائی ٹھنڈائی تو تھی ہی نہیں اور تھا بھی کون جو علاج کرتا لے دیکر
ایک بیوی تھی بیوی اس کے بس چلتا تو شاید دو چار سانس پہلے ہی میاں کو پہنچا دیتی
علاج عنذ التسکین جو کچھ تھا وہ پانی۔ اس کے بھی لالے پڑ گئے۔ جب بخار نے
کسی طرح پیچھا نہ چھوڑا تو حسن کی زندگی شاہدہ کو وبال جان ہو گئی۔ مجبوری گھر آ جاتی
ورنہ زیادہ وقت کلب میں گذار دیتی۔ دوست۔ آشنا جان پہچان آتے اور دیکھ دیکھکر
عبرت پکڑتے۔ حالت ردی ہوتے ہوتے یہاں تک پہونچی کہ ایک رات بالکل بیہوش
پڑا رہا۔ شاہدہ نے سر شام یہ کیفیت دیکھ لی تھی۔ مگر پڑ کر جو ڈھیر ہوئی تو آنکھ صبح ہی کو
کھلی پاس آئی دیکھا۔ پوچھا۔ مگر جب جواب نہ ملا تو اخبار دیکھنے چلی گئی۔ دس بجے کے
بعد آئی تو معلوم ہوا کہ حسن کی روح کبھی کی دنیا سے رخصت ہو چکی تھی ۰

(۱۰)

... کی محبت ... عدت ... جاہلوں کا کام تھا۔ اسلئے شاہدہ نے جائز

رکھی ہی نہیں غضب یہ کیا کہ نماز روزہ کے گیہوں یتیموں کا کھانا اور مسکینوں کی خیرات بھی فضول سمجھ کر اٹھا دی۔ آمدنی میں کمی وقعت کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ مگر دل بڑھا ہوا حوصلے چڑھے ہوئے سینکڑوں روپیہ کے مقابلہ میں اب ساٹھ ستر روپیہ ماہوار ہستی کیا رکھتے تھے۔ جائداد بکنی شروع ہوئی۔ باپ نے ہر چند سمجھایا۔ ماں نے بہتیرے نشیب و فراز دکھلائے۔ مگر انجمن کا سالانہ جلسہ مدراس کا تھا شرکت لازمی اور جانا ضرور۔ جوڑے اور کرایہ یہ اور وہ غرض دو ہزار روپیہ کو ایک مکان فروخت ہوا قصہ کوتاہ ایک پانچ سال میں ساری جمع پونجی خالصہ لگ گئی۔ اس وقت پر ایک دفعہ باپ نے اور ماں نے بہنوئی نے اور بہن نے کہا کہ روٹی تم کو اور تمہارے کتوں کو یہاں اکیلی پڑی ہے ہمارے ہاں آؤ۔ جو دال دلیا اللہ نے دیا ہے کھاؤ اور خدا کا شکر کرو۔ مگر خدا معلوم جھوٹی غیرت تھی یا روکھی پھیکی تمکنت۔ مناخرت۔ مذہب کا اثر تھا یا تعلیم جدید کا ضبط کر ماں نے منتیں کیں۔ باپ نے خوشامد کی۔ بہنوئی نے سمجھایا اور بہن نے ناک رگڑی مگر اس نے منظور نہ کیا ؂

بچہ کا دکھ کچھ کم نہ تھا۔ اس پر افلاس کی مصیبت اور اتنی سنگین کہ جو ہاتھ بھر بھر مٹھی روپے اور اشرفیاں لٹاتے تھے وہ اب ایک ایک پیسہ کو ترسنے لگے ماما تو حسن کی زندگی ہی میں ہو چکی تھیں۔ ایک البتہ اپنے دم کی تھی اب اسکو بھی اگ بچایا یہ انقلاب ایسے نہ تھے کہ شاہدہ کا پیچھا چھوڑ دیتے۔ گھنٹوں بیٹھ پہ غور کرتی اور روتی۔ جن کا ہر وقت سسٹر سسٹر کہتے منہ خشک ہوتا تھا جھانکتی بھی نہ تھیں۔ دن رات کنڈی لگائے اکیلی ٹٹر دل ٹکوں پڑی رہتی رنج ہادر ماں کی مامتا تھی وہ دونو وقت کھانا بھیجدیتے۔ مگر ہاتھ پاؤں تھک صحت بگڑ چکی تھی مشکل سے ایک آدھ نوالہ کھا سکتی ؂

اب البتہ شاہدہ کو معلوم ہوا کہ کیا کیا اور کیا کر چلی۔ دور کے ڈھول سہم

بدت فقط ظاہری سیپ ٹاپ کی دلہن تھی جس کا باطن زہر آلودہ اور سم قاتل مگر گیا گزرا تھی وقت نکل چکا اب سے بڑی چیز ندامت تھی جو ہر وقت سر پر سوار تھی۔ افکار کا ہجوم۔ آلام کی بھرمار بخار شروع ہوا۔ باپ نے تو کچھ نہ کیا۔ گرما نے ایک دفعہ ا کوشش کی کہ سامنے سے جاؤں۔ لیکن ناکام رہی ۔ سر پہ سوار بخار رم گیا اور آٹھ ہی دن میں وہی مینل کا فیل شاہد سوکھ کر چپٹی ہو گئی۔ مرے کو مارے شاہ مدار پیٹ میں ایک درد ایسا اٹھتا تھا کہ مچھلی کی طرح تڑپتی تھی۔ باپ نے میموں کو دکھا سب نے رائے دی کہ اندر پھوڑا ہے۔ علاج ہر چند ہوئے مگر فایدہ کی کوئی صورت نہ نکلی ؛

جب حالت اتنی خراب ہو گئی کہ پانی تک مشکل سے اترتا تو ایک روز ملنے اس سے کہا۔

بیٹی زندگی کا پہلا حصہ ختم کے قریب ہے اور دوسرا شروع ہونے والا ہے ۔ ختم ہونے والا فانی اور شروع ہونے والا ابدی ہے۔ یہ مٹنے والا اور وہ رہنے والا یہاں سکھ عارضی اور دکھ چند روزہ ہے۔ وہاں کے ثواب مستقل اور عذاب ا[illegible] سوانگ دیکھ لیا۔ اب وہ رنگ دیکھنا پڑے گا۔ [illegible] اور غیر لوگ تھے وہ انوکھی اجنبی مقام۔ دیکھا بھالا گھر جانے بوجھے لوگ ملنے کو کی یکائی کھیں [illegible] اگھر موجود جو دے گئیں و[illegible] گیا جو گئیں وہ پالیا اب تک کے دعوے اور شدید اور راتیں مضر[illegible] مگر آج وقت ہے کہ طبیعت پر [illegible] سے پوچھو اور دل سے دریافت [illegible] کہ جو سفر در پیش جو منزل سامنے اور جو کے روبرو ہے اس کے واسطے [illegible] بت کیا ہے اور کیا لیا غور کرو کہ اس [illegible] اور سوچو کہ یہاں کے تما[illegible] قدر خلوص پر مبنی اور صداقت [illegible] ہے۔ اس وقت کہ اس دنیا کے [illegible] سے فراق ابدی [illegible] جاتی ہو